

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ كَذَّبْتَنِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

حَرْفِ آغا

کس قدر حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ ہماری عشقیہ شاعری تو ایوانِ ادب کے زینت بنے اور اس کی بیسیوں تاریخیں مرتب ہوں لیکن متاعِ دین و ایمان یعنی نعتیہ شاعری کی طرف بھولے سے بھی توجہ نہ کی جائے۔ اس سلسلہ میں ہمارے ناقدین و مبصرین ادب اتنے ذمہ دار نہیں ہیں جتنا ہمارا معاشرہ اس کا ذمہ دار ہے کہ ہمارے اس معاشرے میں جو وطنِ عشقیہ شاعری کا ہے اور اس کو جو مقام حاصل ہے اس کے مقابلہ میں نعتیہ شاعری ایک متاعِ بے بہا ہوتے ہوئے بھی ایک متاعِ کس پیرس اور ایک جنس کا سد ہے اگر اس معاشرہ میں بھی نعتیہ شاعری کو سلیقہ سے پیش کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ناقدین اسے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

ہمارے ادب میں صرف نعت گو اور نعت نگار شعرائیں حضرت رضا قدس سرہ حضرت محسن کا کوریٰ سے کون واقف نہیں، علامہ اقبالؒ اور مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا نعتیہ کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں لیکن افسوس کہ ان حضرات میں سے کسی ایک شاعر کو بھی بحیثیت نعت گو شاعر، تاریخ ادب نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، حضرت امیر سیدنا ابی نعتیہ شاعری

کے ضخیم مجموعے یادگار چھوڑ گئے ہیں لیکن ان کی نعتیہ شاعری کا تفصیلی تعارف آپ کو تاریخ ادب اردو میں نہیں ملے گا، بہرآورد لکھنؤی مرحوم صرف نعت گو شاعر نہیں لیکن ان کی تمام تر شاعری کا دار و مدار ان کی نعتیہ شاعری ہے، وہ اپنی نعتیہ شاعری کے اعتبار سے عوام میں خاصے مقبول ہیں اور ان کے نعتیہ کلام کے دو تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان کے کلام کا آخری مجموعہ "کرم بالائے کرم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے لیکن اس میں بھی ان کے فن اور نعتیہ شاعری کا مبسوط تعارف مفقود ہے۔ جناب عبدالغفر خاں کی نعت گوئی میں جو رفعت و تحیل ہے وہ تعریف سے مستغنی ہے لیکن ان کے مجموعے کلام (نعتیہ) بھی فن نعت گوئی کے نگار سے عاری اور سادہ ہیں۔

ابھی چند روز کی بات ہے کہ ایک صاحب نے ایک مبسوط اور ضخیم مجموعہ نعتیہ شاعری کا مرتب کیا جو عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ غزلیں کے انتخاب پر مشتمل ہے، انھوں نے بزم غم و بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے اس سلسلہ کو مرتب کیا یعنی چند نعتیہ دواوین سے نعتیہ غزلوں کو منتخب کر کے غزل ہائے نعت کا ایک مجموعہ مرتب کر دیا لیکن وہ بھی اردو کی نعتیہ شاعری اور اس کی تنقید پر قلم کو جنبش نہ دے سکے ہاں اتنا ضرور ہوا کہ نعتیہ شاعری سے ذوق رکھنے والے حضرات کو بہت سے دواوین کی ورق گردانی سے بچا لیا چلتے یہ بھی غنیمت ہے، اکاش انھوں نے تاریخ نعت گوئی پر کچھ لکھا ہوتا، ہر زبان اور ہر عصر کی نعتیہ شاعری کی جب تدوین کی گئی تو تمام اسالیب بیان اور ہر شاعر کے انفرادی خصوصیات پر قلم اٹھاتے۔

بہر حال عرض یہ کرنا تھا کہ ہماری نعتیہ شاعری ارباب فکر و قلم سے وہ خراج تحسین حاصل نہیں کر سکی جس کی وہ مستحق تھی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نعتیہ شعر کہنا بغیر علمی سرمایہ کے محال ہے اسی طرح اس پر تنقید اور مختلف اسالیب بیان پر تبصرہ بہت زیادہ دیدہ وری اور علمی تبحر کا تقاضا ہے

آج حضرت جاتی، مولانا رومی، امیر خسرو اور علامہ اقبال کی (فارسی) نعتیہ شاعری پر قلم اٹھانا ایک دشوار گزار اور کٹھن مرحلہ ہے حضرت حسان بن ثابت، علامہ بوسیری، حضرت کعبہ (عربی شاعری) مشعل بر نعت، کا تنقیدی جائزہ لینا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، اس کے اسباب خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن یہ کہنا پڑے گا کہ ہم تاریخ ادب اردو میں ایک عظیم اور گرانا یہ پہلو کو نظر انداز کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے سلسلہ میں جناب حسن بریلوی کے نعتیہ کلام پر ایک مختصر سا تعارف اور ان کے کلام پر اجمالی تنقید پیش کی تھی، میں ان کے کلام پر بہت کچھ لکھتا لیکن افسوس کہ ناشر کی جانب سے مجھے صرف ۲۴ صفحات لکھنے کی اجازت دی گئی تھی مجھے تسلیم ہے کہ ایسے وسیع موضوع پر ۲۴ صفحات کی کچھ حیثیت نہیں ہے لیکن دلدادگان ادب اور حضرت حسن بریلوی کی نعتیہ شاعری سے شغف رکھنے والے حضرات نے میری اس کاوش کو سراہا اس کے بعد اکثر احباب نے مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ میں برصغیر ہندوپاک کے ایک زبردست عام و فاضل، وحید عصر اور یگانہ روزگار نعتیہ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قازری قدس سرہ کی نعتیہ شاعری پر تفصیل سے کچھ لکھوں حضرت رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں کہ آپ کا کلام "ذیات نظائر" فی نظائر توشیح پیدا جانا، اور مصطفیٰ جانِ رحمت پر لاکھوں سلام، آج تجھے بچے کی زبان پر ہے اور ذی فہم حضرت اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سرشار مسلمان اس کلام معجز بیان پر وجد کرتے ہیں، خود میری بھی دیرینہ خواہش تھی لیکن جب یہ محرمات پیدا ہوئے تو میں نے اس طرف توجہ مبذول کی اور کلام رہنما قدس سرہ کی شاعری کے تحقیقی اور ادبی جائزہ پر قلم اٹھایا۔

حقیقت نگاری اور عقیدت طرازی، دو الگ الگ راستے ہیں، حقیقت کو عقیدت

کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے اور عقیدت، حقیقت کی نگاہوں میں اکثر بے مایہ اور بے اعتبار ہو جاتی ہے، ارادت جب سرتواضع خم کئے عقیدت کے ایوان میں داخل ہوتی ہے تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ انصاف کے تقاضے پورے کئے جارہے ہیں اور اگر ایسا ہو جائے کہ عقیدت حقیقت سے متوازن ہو جائے تو نور علی نور اور یہ کوئی امر محال یا اجتماع صدقین نہیں، ہمیشہ سے یہ ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا، ہاں اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے کریں گے اور میں اس محاسبہ کے لئے تیار ہوں کہ میں نے عقیدت کے سامنے سر جھکا یا ہے یا حقیقت نے عقیدت کو آئینہ دکھایا ہے۔ یعنی میں آپ کے سامنے حدائق بخشش (اول دوم) کا ادبی اور تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہوں، آپ یقین فرمائیے کہ میں نے عقیدت و ارادت کو اس راہ میں حائل نہیں ہونے دیا ہے اور میرے قلم نے عقیدت کے سامنے سر نہیں جھکایا بحیرہ دوسری بات ہے کہ امام اہلسنت کی ذات گرامی اور آپ کا علوم مرتب آپ کا تبحر علمی اور آپ کی یگانہ روزگار ہستی کا فاضلانہ وقار قدم پر عنان گیر رہا لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کے محبوب ذیشان صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ التفات میرے شامل حال رہی اور میں نے حضرت رضاء قدس سرہ کی شاعری کا ہر ہر نوع اور ہر اک پہلو سے جائزہ لیا۔ میری فکر رستائے ہر چند تنہا و تلاش میں کوئی کوتاہی نہیں برتی لیکن میں کیا کروں کہ اس وحید عصر اور یگانہ روزگار کی بے مثال نعتیہ شاعری میں باعتبار زبان بیان مجھے کہیں کوئی سقم نظر نہیں آیا اور مجھے کہیں یہ کہنے کا موقع نہیں ملا کہ فن شاعری کے اعتبار سے حضرت رضاء قدس سرہ کے کلام میں یہ سقم یا یہ خامی موجود ہے۔

رہا آپ کی شاعری کا موضوع رفیع و وسیع اور نعت پاک کے پاکیزہ گلبائے رنگارنگ تو اس سلسلہ میں کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے کہاں میں پیچیدہ پیچیدہ اور کہاں اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری کے مضامین بلند اور حضرت رضاء قدس سرہ کی اچھوتی فکر کی رعنائیاں، میں انھیں

کیا آئینہ دکھانا اور ان کی مشاطگی کرتا کہ نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صنون آفرینیاں کرنا آپ ہی کا حصہ ہے، میں بقدر سلیقہ اور اپنے مبلغ علم کے سہارے کچھ عنوانات قائم کر کے انہی عنوانات کے تحت آپ کی شاعری کا جائزہ دیا ہے اور حضرت احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری کے ہر پہلو پر تفصیل سے لکھا۔ اور اس ادبی جائزہ میں میں منفرد ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری اور حضرت احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی نعتیہ شاعری نامی کتابچوں نے جو ایک سرسری تعارف کی رسم ادا کی تھی میں نے اس کے تکملہ کی کوشش کی ہے، ان دونوں کتابچوں میں آپ کی شاعری کے موضوع کے تحت کمالات و اوصاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، کوزیر بحث لایا گیا ہے وہ بھی صرف چند صفحات میں اور میرے خیال میں کسی نعت نگار شاعر کے کلام کی ادبی خصوصیات کو پیش کرنے کے بجائے نعتیہ شاعری کے موضوع کو پیش کرنا تحصیل حاصل کے سوا اور کچھ نہیں اس سے حق تنقید ادا نہیں ہوتا، نعت پاک کے مقدس اور رفیع و اعلیٰ مضامین اور سرسری نغمات تو اسی فکر و ذہن اور قلب سرشار سے ادا ہو سکتے ہیں جو سرور و ذیشان خداداد آدم و آدمیان علیہ التحیۃ والثناء کی محبت میں ڈوبا ہوا اور جس کا نفیس سید الانبیاء کے عشق کی سرستیوں اور سرشاریوں میں مستغرق ہوا اور جس کی ہی صدا ہو۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باد ز سیدی تمام بو لہبسی ست

(عقائد اقبال)

میرے قلم میں یہ زور اور توانائی کہاں کہ میں حضرت رضاء قدس سرہ کے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توضیح و تشریح کر سکوں! مراتب نبوت کے سلسلہ میں کچھ عرض کروں میں ایسا نادان نہیں کہ آفتاب کے سامنے آئینہ پیش کروں اور نہ میں داغ جیسے شاعروں کی زبانی حضرت رضاء کی

نعتیہ شاعری کی تعریف کرنا ناانگے لئے موجب فخر و مباہات سمجھتا ہوں بلکہ میری نظر میں وہ ایک جسامت بیجا ہے۔ غور فرمائیے کہ کہاں داغ کی ارباب نشاط کی شاعری اور کہاں حضرت رضانہ کے سرمدی نعمات، چہ نسبت خاک را بعالم پاک میں زبان کھولنا نہیں چاہتا اور نہ یہ کہتا کہ آج زبان دانی پر فخر و ناز کرنے والے حضرت رضانہ قدس سرہ کا کلام صحیح پڑھ بھی نہیں سکتے اور میرے اس قول کی ائید عصر حاضر کے عظیم نعت نگار و تذاوج رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جناب عبدالعزیز خالد ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو اس سلسلہ میں بہت سے مواقع سے دوچار ہونا پڑا ہوگا۔

حضرت رضانہ کے موضوع شاعری کے سلسلہ میں آپ ہی کی ایک رباعی کے آخری دو حصے پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں فرماتے ہیں سہ

قرآن سے نعت گوئی سیکھی میں نے

یعنی رہے آداب شریعت ملحوظ

البتہ حضرت رضانہ قدس سرہ کی شاعری کے دوسرے تمام پہلو میں نے تمام و کمال پیش کئے ہیں، یعنی میں نے حضرت رضانہ کی شاعری کا تحقیقی اور ادبی جائزہ ان عنوانات کے تحت لیا ہے۔

۱۔ حضرت رضانہ کے تجربی کا اثر ان کی شاعری پر۔ ۲۔ حضرت رضانہ کی زبان اور اس کی لطافت و پاکیزگی۔

۳۔ طرزِ ادا کی رنگینی اور ندرتِ بیان۔ ۴۔ مضمون آفرینی۔

۵۔ شکوہ الفاظ اور بندشوں کی چستی۔ ۶۔ حضرت رضانہ کی شاعری اور علم بیان میں بدلیج۔

۷۔ حضرت رضانہ کے کلام میں تشبیہ، استعارات۔ ۸۔ حضرت رضانہ کا کلام اور علم بدلیج

کناہیے اور مجاز مرسل کے قرینے۔ کلام رضانہ میں صنائع لفظی

۹۔ کلام رضانہ قدس سرہ کی فصاحت و بلاغت۔ کلام رضانہ میں صنائع معنوی

۱۰۔ حضرت رضانہ کی شاعری کے داخلی پہلو، ۱۱۔ حضرت رضانہ اور اولیات

ان عنوانات پر توجہ فرمائیے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے اس تحقیقی جائزہ میں کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہے، میں نے حضرت رضانہ قدس سرہ کے کلام پر ان تمام عنوانات کو منطبق کیا ہے اور موضوعات نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مراتب و مقامات سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود بخود معرض غور میں آتے چلے گئے ہیں اور میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں ہاں اتنا ضرور ہے کہ میں نے ایک عنوان قائم نہیں کیا ہے اور وہ ہے کہ کلام رضانہ قدس سرہ میں نصوص قرآنی اور احادیث نبوی کی طرف بلیغ اشارات یہ عنوان قائم نہ کرنے کے دو سبب ہیں پہلا سبب تو یہ کہ نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ اس قدر وسیع ہے، خصوصاً حضرت رضانہ قدس سرہ نے نعت پاک میں جو کچھ کہا ہے وہ نص قرآنی یا حدیث شریف ہی پر مبنی ہے پس ایسے دقیق اور وسیع موضوع کلام کا احاطہ کرنا دو چار صفحات کے بس کا کام نہ تھا، دوسرے میرے مندرجہ بالا موضوعات ہی تقریباً ڈھائی سو صفحات پر محیط ہیں ناشر اس سے زیادہ صفحات تنقید و تبصرہ میں صرف کرنے پر آمادہ نہیں اس لئے مجھے اس عنوان سے صرف نظر کرنا پڑا۔ حضرت رضانہ قدس سرہ کا کلام بلاغت نظام موسومہ بہ صدائق بخشش (اول و دوم) جو اس تحقیقی جائزے کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، اس کے بارے میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب میں نے اس تحقیقی جائزہ کو شروع کیا تو حقائق بخشش کا جو مطبوعہ نسخہ ملا (کہ بازار میں صرف یہی ایک مطبوعہ نسخہ ہے) وہ بے شمار غلطائیں پُر ہے، میرے پاس یا میرے احباب میں سے کسی کے پاس حضرت رضانہ کے کلام کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے اور نہ بریلی سے آپ کے سجادہ نشین حضرت مولانا مولوی مفتی اعظم شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب ام بکاد کے کسی ایسے نسخے کے ملنے کا امکان تھا اس لئے مجبوراً اس راہ میں بھی اپنی فکر کا سہارا لیا اور الحمد للہ کہ سرورِ دیشان صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ لطف و کرم کے طفیل حضرت رضانہ قدس سرہ

کے فیض باطنی نے اس راہ میں میری رہنمائی کی اور مطبوعہ کلام کو اغلاط سے پاک و صاف کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا۔ یہاں گنجائش نہیں ہے کہ میں ان اغلاط طبعات کی نشاندہی کروں جو مطبوعہ نسخے میں موجود ہیں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اب جو نسخہ میں اس ادبی جائزے کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں وہ تمام مطبوعہ نسخے سے زیادہ صحیح اور اغلاط سے پاک ہے۔ ایک اور اہم بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت رضا قدس سرہ کا موجودہ دیوان موسوم بہ حدائق بخشش (اول و دوم) کی ترتیب قطعی غیر ادبی اور نامناسب تھی یعنی نعت شریف سے آغاز اور اسکے بعد منقبت اور پھر نعت، سلام اور پھر نعتیہ غزلیں، نظم اور اس کے بعد غزل دو چار اردو غزلیں اور پھر فارسی کلام، اردو رباعیات سے پہلے فارسی رباعیات الغرض بالکل غیر ادبی ترتیب تھی اور اس نے کلام کی مجموعی دلچسپی میں ایک خلا پیدا کر دیا تھا۔ ہیں واثق سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت رضا قدس سرہ کی حیات میں آپ کے کلام کی تدوین کا کام نہیں ہوا تھا، آپ کے بعد بالکل غیر شاعرانہ انداز میں کلام کو جمع کر دیا گیا، تو کیا اب یہ ضروری تھا کہ ہم اسلاف پرستی کے اُس بھنور میں پھنسے رہیں اور کلام کو اس اصل شکل و ہیئت کے ساتھ شاعرانہ انداز میں پیش نہ کریں اگر عقیدت کشی اس سلسلہ میں جیں جہیں ہوتی ہے تو ہر مجھے اس کی مطلق پروا نہیں۔

میں نے دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں بحیثیت صدر شعبہ فارسی ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۴ء تک مسلسل خدمات انجام دی ہیں، وہاں کی روحانی فضا اور پاکیزہ علمی معیشتوں کی کیا تعریف کروں، عجیب پاکیزہ اور روحانی ماحول تھا کہ صدر الشریعہ مولانا مولوی امجد علی صاحب نور اللہ مدظلہ صاحب بہار شریعت شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز ہیں، آپ کے تلامذہ کلام میں مولانا مولوی سردار احمد صاحب لائپزور و مرحوم و مغفور، آپ کے فرزند

جناب مفتی مولانا عبدالمصطفیٰ صاحب ازہری (ایم۔ این۔ اے پاکستان) اور جناب مفتی اعجاز ولی خاں صاحب مرحوم و مغفور پیش پیش ہیں، مولوی تقدس علی خاں صاحب (شیخ الحدیث مدرسہ بریلوی خیر پور بندھ) مولوی مفتی ابراہیم خاں صاحب مرحوم تلہری، مولوی سردار علی صاحب نعت غزلیں مولوی ابراہیم رضا صاحب جیلانی، حکیم حسین رضا خاں صاحب خلع جناب حسن بریلوی دفتر جماعت رضا نے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) محلہ سوداگران بریلی میں جمع ہوتے آجکل بھی اُن صحبتوں میں شریک ہوتا اور درس و تدریس کے بعد دن کا بیشتر حصہ ان علمی اور ادبی صحبتوں میں بسر ہوتا، اعلیٰ حضرت امام اہلسنت قدس سرہ کے علمی کارنامے، آپ کے ارشادات و ملفوظات زیر بحث آتے، آپ کی شاعری کا ذکر چھڑ جاتا، ان مجلسوں میں آپ کے پیش رو لاتعداد مسودات کی طبعات کا مسئلہ زیر بحث آتا جو آج بھی الماریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں جہاں تک میرے حافظہ اور میری یادداشت کا تعلق ہے مجھے یاد نہیں آتا کہ موجودہ مطبوعہ دیوان کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں یہ امر کبھی زیر بحث آیا ہو یا اس کی وضاحت کبھی ہوئی ہو کہ موجودہ ترتیب خود اعلیٰ حضرت کے مشورے سے ہوئی یا آپ کے علم و آگہی میں لائی گئی تھی، اس لئے میں بڑے وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ نعتیہ دیوان کی موجودہ ترتیب کو آپ کی پسندیدگی کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ حضرت رضا قدس سرہ کے وصال کے بعد مکتبہ رضویہ بریلی کے کارپردازوں نے اس کی ترتیب و تدوین کی طرف توجہ کی اور ان ہی کی مساعی سے یہ دیوان زبور طبع سے آراستہ ہوا۔ بس جیسا اُن کی سمجھ میں آیا اس طرح اس کو مرتب کر دیا اور جیسا کہ ہماری شخصیت پرستی کا شیوہ رہا ہے حضرت رضا کے دیوان کی صحیح اور ادبی ترتیب کی طرف آج تک کسی نے توجہ نہیں کی۔

الحمد للہ کہ اب چند احباب خصوصاً جناب شوکت حسن خان صاحب بریلوی (نولش مفتی ہند قبلہ مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب دام مجدہ) اور عزیز گرامی قدر مولانا حافظ قاری محمد ابراہیم صاحب

خوشتر صدیقی سابق سربراہ اور مذہبیہ جزائر مارشیس کی تحریک اور ایک دیندار اردو کے مکملہ نے مجھے اس طرف متوجہ کیا کہ اس ادبی جائزہ کے ساتھ ہی ساتھ دیوان حضرت رضا کو صحیح اور ادبی انداز میں از سر نو ترتیب دوں چنانچہ میں نے نعت و منقبت اردو اور فارسی کلام کی آمیزش سے کلام کا تصفیہ کیا اور تمام کلام کو الگ الگ کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔ میں جناب مولانا مفتی تقدس علی خاں صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ (پرنٹنگ وٹھیر پورسٹریو پاکستان) کا بھی شکر گزار ہوں اور مولانا محمد اطہر نعیمی کا بھی شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ ہر دو حضرات نے اس سلسلہ میں میری بڑی ہمت افزائی فرمائی۔

اس سلسلہ میں اصل محرک کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہتا یعنی مرحوم دوست قاضی حمایت اللہ حیدری نے جناب محترم ڈاکٹر مسعود احمد صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج لکھنؤ (شاہ) کی فرمائش پر یہ کام میرے سپرد کیا تھا ان تمام محرکات نے مل کر میری اس دیرینہ آرزو کا مکملہ خود میرے قلم سے کرایا۔

مجھے امید ہے کہ خدا تعالیٰ بخشش اس ترتیب نو اور اپنے تحقیقی اور ادبی جائزہ کے ساتھ وابستگان حضرت رضاؒ اور ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا اور نعتیہ شاعری کے دلدادگان اور حضرت رضاؒ کے عقیدت مندان میری اس خدمت کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے میں کسی ستائش و تحسین کا متمنی اور خواستگار نہیں ہوں، میرے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ

۱۰ جنوری ۱۹۷۷ء شادام از زندگی خویش کہ کارے کردم
رأیوں کو چھوٹ کر اپنی دعا تو فیقی الہ آباد اللہ
شمس بریلوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت رضاؒ کے تبحر علمی کا اثر

انکی شاعری پر

بیسویں صدی عیسوی کے ربع اول تک ہمارے تنقید نگار جب کسی شاعر کا تنقیدی جائزہ لیتے تھے تو وہ یہ دیکھتے تھے کہ شاعر نے زبان کی صحت کا کس قدر خیال رکھا ہے، فن شاعری پر اسکو کس حد تک عبور حاصل ہے، لوازم شعری اور محاسن شاعری سے وہ کہاں تک عہدہ برآ ہوا ہے، طرز بیان اور طرز ادا کیسا ہے، مضمون آفرینی کس حد تک ہے، علم بیان و علم معانی، فصاحت و بلاغت پر کس حد تک تصرف ہے — چنانچہ شبلی نعمانی مرحوم نے شعرا المعجم اور موازنہ انیس و دہریں انہی موضوعات کو اپنایا ہے اور شاعروں کی شاعرانہ اور ادبی صلاحیتوں اور ان کے کلام کو انہی پیمانوں سے ناپا ہے۔

لیکن آج اردو ادب میں تنقید کا رنگ کچھ اور ہی ہو گیا ہے کہتے ہیں تنقید کا مزاج بدل گیا ہے جی نہیں بلکہ نقد نگاروں کا انداز نقد و نظر بدل گیا ہے، آج اردو ادب میں تنقید کا فن بھی دیگر

علوم کی طرح مغربی ادب سے متاثر ہوا ہے۔ عصر جدید کے نقد نگاروں نے مغربی ادب کے طریقہ تنقید سے متاثر ہو کر اپنی تنقید کو دقیق بنانے کے لئے مغربی طرز تنقید کو اپنا یا حالانکہ عربی اور فارسی ادب کے شاہرہ مستشرقین اور نقد نگاروں نے جیسے پروفیسر نکلسن اور پروفیسر براؤن، عربی اور فارسی ادب کی تنقید میں انہی حدود و حال کو اجاگر کیا اور انہی گوشوں کو بے نقاب کیا ہے جو لازماً تنقید تھے اور بالئے قدیم نقد نگاروں نے جن کو اپنی تنقیدات میں پیش نظر رکھا ہے۔

آج عصر جدید کی تنقید شعری میں شاعر کے ایک شعر کو پیش کر کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ صدا کی گھڑی شاعر کے یہاں زندگی سے فرار ہے، یہ شعر ماورائی کیفیت کا ترجمان ہے، اس شعر میں جمالیاتی کیفیت ہے اور فلاں غزل کے تمام اشعار میں آفاقی رنگ ہے، اس غزل میں تقدیر کی زندگی ہے، اور فلاں غزل میں مقصدیت ہے اور اس غزل میں زندگی سے فرار کی کیفیت ہے، یہ اشعار فراموشی کے ترجمان ہیں، اور فلاں شعر تو صاحب خود داری و خود نگہداری کی ایک حسین داستان ہے، اگر میں مذکورہ بالا عنوانات کی تطبیق کے لئے عصر حاضر کے تنقیدی شہ پاروں سے شعری مثالیں نقل کروں تو پیش نظر محدود صفحات اس کے قائل نہیں ہو سکتے، آپ عصر حاضر کے مہلات و رساں میں ان تنقیدی شہ پاروں کو باسانی ملاحظہ فرما سکتے ہیں ان کے تنقیدی زاویے یہی ہوں گے کہ عظیم شاعر کی ایک غزل نے لیجئے اس پر آپ عصر حاضر کی تنقید کا ایک لیبل چسپاں کرنے کی خواہش ہی کو پیش کر دیں کہ کامیاب نہیں ہو سکتے اور کامیاب ہوں گے بھی کس طرح جبکہ غزل کا ہر شعر ایک جہلا کا مضمون اور خیال پر مشتمل ہوتا ہے۔ غالب کے اس شعر پر تو آپ قنوطیت یا زندگی سے فرار کا لیبل لگا سکتے ہیں کہ

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں،

لیکن اسی غزل کے دوسرے اشعار کا عنوان تنقید آپ کیا قرار دیں گے! یا اس غزل کے تمام اشعار

کو اسی فرار زندگی کے پیمانے سے ناپیں گے اور یہی فرمائیں گے کہ صاحب غالب تو زندگی سے فرار کا سبق دیتا ہے، غالب کے اس شعر کو پیش کر کے

دے وہ جس قدر گالیاں ہم ہنسی میں ٹالیں گے

بارے آشنا نکلا ان کا پاساں آپنا

یا یہ شعر پڑھ کر

گدا کچھ کے وہ چپ کٹھامری جو شامت آئی،

اٹھا اور اٹھ کے تدم میں نے پاساں کے لئے

ہم یہ کہہ دیں کہ غالب میں عزت نفس اور خود نگہداری کا فقدان تھا، یا مرزا صاحب کا یہ شعر پیش کر کے

دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے

بننا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے

آپ یہ کہہ سینگے کہ بھٹی "مرزا غالب کا پیشہ تھا" ہمارا جواب تو یہی ہے کہ غلط حقیقت یہ ہے کہ

نقد نگاروں نے تنقید کا یہ ایک بہت آسان طریقہ نکال لیا ہے تاکہ معانی و میان، عرض و بلاغت

محاسن شعری اور فن شاعری کے سمجھیلوں سے اس کی بدولت محفوظ رہیں اس لئے اور بھی کہ اگر وہ

اس راستے پر گامزن ہوئے تو ہر قدم پر لغزش قدم کا خطرہ ہے، پس اس خطرے کو کیوں مول لیں۔

میں تو یہ عرض کروں گا کہ جس طرح ہر زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے اور اپنا ماحول اسی طرح ہر

زبان کا رنگ شاعری اور اس کے خصوصیات جدا گانہ ہوتے ہیں۔ مغربی ادب کے اصول تنقید مغربی

زبانوں کے مزاج اور آہنگ سے مطابقت رکھتے ہیں، وہ اصول اردو غزل پر کس طرح منطبق ہو سکتے

ہیں یا اردو غزل پر ان اصولوں کی روشنی میں کس طرح تنقید ہو سکتی ہے اردو کی بحروں کو انگریزی عروض

کے پیمانوں سے کس طرح ناپا جا سکتا ہے، انگریزی شاعری کے قافیہ کے میدان میں جو وسعت ہے وہ

ہماری زبان کے قوافی کو کہاں میسر آسکتی ہیں، ہم تو حرفِ روی اور ماقبلِ روی کی پابندیوں سے بکڑے ہوئے ہیں اور ان کے یہاں صرف صوتی ہم آہنگی کافی ہے، ہمارے یہاں علمِ تافیر ایک ضروری اور وسیع فن کی صورت میں موجود ہے انگریزی ادب میں ایسا نہیں ہیں یہ نہیں کہتا کہ یہ انگریزی ادب کی بے مائیگی ہے بلکہ یہ اس زبان کا مزاج ہے اور انگریزی شاعری کا اقتضا کہ انھوں نے ردیف و قافیے کی وہ بندشیں نہیں رکھی ہیں جو ہمارے یہاں موجود ہیں، ہماری شاعری کے لئے تو صنائعِ بدائع، علمِ پیک کے مسائل اور فصاحت و بلاغت کے لوازم جانِ شاعری ہیں، ان کے بغیر شاعری جسُود بے رُوح ہے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم انگریزی کے اصولِ تنقید کو اردو ادب کی تنقید میں صرف کریں ہمارے لئے قویہ ضروری ہے کہ ہم جس صنفِ سخن پر تنقید کر رہے ہیں اس صنفِ سخن کے معینہ اصول نقد کے پورے پورے وفادار ہیں، شاید بعض اصحاب میرے اس قول پر ”کوثرانہ تقلید“ کا الزام مانڈ کریں لیکن میں کب کہتا ہوں کہ ہم اپنے فنِ تنقید کو وسعت نہ دیں میں تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ مسئلہ اصول سے بغاوت یا ان سے فرار نہیں کرنا چاہئے۔ ”اردو غزل“ کے مصنف ڈاکٹر یوسف حسین صاحب نے اپنی اس مبسوط تنقیدی تصنیف میں جس طرح غزل کا تنقیدی جائزہ لیا ہے وہ ان کے کمالِ ذوق کا آئینہ دار ہے انہوں نے غزل کے مسئلہ اصول سے کہیں بھی گریز نہیں کیا ہے۔

یہ ایک مسئلہ امر ہے کہ شاعر اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ وہ اپنے جذباتِ خیالات کی ترجمانی کرتا ہے، میں نے ابتدائے کلام میں مرزا غالب کے چندا شعاریں پیش کئے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ مرزا صاحب ہی کی شاعری سے اپنے اس معروضہ کا استدلال کروں، مرزا غالب کے بعض ناقدین نے مرزا صاحب کے چندا شعاریں پیش کر کے بتایا ہے کہ مرزا غالب کی ”اردو غزلیں“ ان کے عہد کی سیاسی ابتری کی ترجمان ہیں اور اس طرح مرزا غالب کو انیسویں صدی عیسوی کا بہترین سیاست نگار شاعر بنا دیا ہے۔

مئے سے غرض نشاط ہے کس رُوسیا کو
اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہئے
یا اسی طرح کے دو تین اشعار مرزا کے کلام سے انتخاب کر کے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرزا خود فراموش تھے یا وہ ہر وقت شراب کے نشہ میں غرق رہتے تھے بس بات اتنی ہے کہ یہ ان کے ایسے ہی جذبات اور خیالات تھے جیسے دوسرے شعرا کے، انھوں نے اپنے اور عوام کے ایسے جذبات کو شعر کا لباس پہنا دیا اب آپ ان کو خود فراموش کہیں یا عالم فراموش! حقیقت یہ ہے کہ شاعر اپنے جذبات کا ترجمان ہوتا ہے یا روایات کا، اس کے دل میں جو جذبات پیدا ہوتے ہیں گاہے گاہے وہ ان کو روزِ گردیتا ہے صرف اپنا اپنا انداز بیان ہوتا ہے، اسی اندازِ بیان پر غالب فخریہ انداز میں کہتے ہیں:-
ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر تھا جو رازِ داں اپنا

ورنہ پری وش کا ذکر تو ان کے اکثر معاصرین نے کیا ہے! البتہ الذہبِ اوست احسن اوست کے مصداق اندازِ بیلانی ہی اس کے کذب کو احسن اور پسندیدہ سے پسندیدہ بنا دیتا ہے کبھی وہ دوسروں کے جذبات اور خیالات کو کبھی دل نشیں انداز میں پیش کر دیتا ہے یعنی کبھی وہ آپ بیتی کو بیان کرتا ہے اور کبھی جگ بیتی کو! کبھی ماحول کی بعض رچی بسی روایات کا سہارا لیتا ہے اور کبھی دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے عامۃ الورد کی غیفاتِ عشق و محبت کو پیش کرتا ہے، اگر غزل گوی صرف اپنے جذبات کی ترجمانی کا نام ہوتا یا اس پر حصر ہوتا تو ہر شاعر غزل گو کے لئے عاشق ہونا ضروری ہو جاتا اگر بقول بعض ناقدین مومن صرف یہ شعر کہہ کر عاشق دارِ فقر مزاج بن سکتے ہیں کہ

عشق پر درہ نشیں میں مرتے ہیں

زندگی پر درہ در نہ ہو جائے

تو اس صورت میں عاشقوں کا شمار انسان کے بس کی بات نہیں۔

مختصر یہ کہ شاعر اپنی روایات، اپنے احساسات اور دوسروں کو متاثر کرنے والے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے اور یہی اس کی شاعری کا مقصود اصلی ہے وہ صرف انداز بیان میں ندرت پیدا کرنے کے لئے قوت تخیل سے کام لے کر مضمون آفرینی کرتا ہے تاکہ اس کا مضمون شعری پیش پا افتادہ نہ معلوم ہو، وہ اپنے خیال کے خزانے کو کھنگاتا ہے اور علم و آگہی کی دولت نے معلومات کے جو موتی اور جواہر ریزے چھپا رکھے ہیں ان سے کام لے کر اپنے اشعار میں طرکی اور ندرت پیدا کرتا ہے۔ ناقد کو اس سلسلہ میں یہ خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ جس شاعر پر تنقید و تبصرہ کر رہا ہے اس کا مبلغ علم کیسا ہے اور اس کی آگہی و معرفت کا میدان کس قدر وسیع ہے۔

فلسفہ کے مشہور مسئلہ تلازم مادہ و صورت پیش کر کے شاعر حکیم رازی، سنائی یا ملا صدرا نہیں بن سکتا جیسا کہ غالب نے کہا ہے۔

مری تعمیر میں مضمون ہے اک صورت خرابی کی

ہیوئی برق خرمں کا ہے خون گرم دہقان کا

اب اگر مرزا کے اس شعری بنا پر ملا صاحب کو ایک فلسفی شاعر کہا جائے تو میں کچھ کہتا ہوں کہ غالب اپنی زندگی میں تو اس امر پر کبھی راضی نہ ہوتے ہاں انھوں نے اپنے کلام کی جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے اور وہ جس طرکی خیال اور جدت طرازی کے داعی ہیں اس سے ان کا کلام بھرپور ہے۔ فرسودہ اور پامال مضامین، مبتذل بندشوں سے انھوں نے ہمیشہ گریز کیا، ان کے کلام سے ان کا یہ دعویٰ ثابت ہے۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ کسی شاعر کی شعری خصوصیات، اسکے اشعار اس کی زبان دانی، تجربہ علمی اور افکار عالیہ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ دورِ متاخرین اور عصر حاضر کے مشاہیر اردو شعرا کے یہاں یہ خصوصیات زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اور اسی کلیہ کے

تحت حضرت رضا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری بھی آتی ہے، ان کے کلام میں ان کے جذبات کی ترجمانی بھی ہے اور روایات کی بھی یہ روایات سماجی یا معاشرتی نہیں ہیں بلکہ ایسی مستند مذہبی روایات ہیں جن کا ماخذ قرآن و سنت اور آثار و اخبار ہیں لیکن جہاں جہاں وہ اپنے جذبات کی ترجمانی فرماتے ہیں وہاں اکثر و بیشتر ان کا تجربہ علمی کا فرما نظر آتا ہے۔

حضرت رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی اور ان کا تجربہ علمی کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ ایک زبردست عالم لیگنہ روزگار فقیہ و مفسر اور صاحب مال بزرگ تھے، ان کے حلقہ درس میں جن حضرات کو خوبی قسمت سے زانوئے ادب طے کرنے کا موقع ملا وہ حضرات بھی اپنے عہد کے مشہور محدث، فقیہ اور ماہر فلسفہ گزرے ہیں، جناب مولانا ظفر الدین صاحب بہاری، جناب مولانا مولوی محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی، حضرت مولانا مولوی امجد علی صاحب مصنف بہار شریعت قابل ذکر ہیں۔ اور یہ حضرات بھی بجائے خود کسی تعارف کے محتاج نہیں آج ان حضرات کے سیکڑوں تلامذہ اس برصغیر پاک و ہند میں موجود ہیں۔

حضرت رضا بریلوی قدس سرہ کے فضل و کمال کا شہرہ صرف اس برصغیر پاک و ہند تک ہی نہ تھا بلکہ حرمین شریفین کے محدثین اور فقہائے بھی ان کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے سند اعتبار عطا فرمائی تھی۔ قرآن پاک، تفسیر، علم فقہ، اصول فقہ، تفسیر کے جید عالم، علم توقیت و حساب و ہندسہ اور علم جفر کے ماہر، عربی ادب اور انشاء کے ایسے کامل انشاء پر واز کہ اہل زبان اس کو سن کر کھجے تھے، علم کلام، منطق، فلسفہ اور معانی و بیان پر ان کو کامل دستگاہ حاصل تھی اور علم جفر کے تو اس برصغیر میں وہ منفرد لیگنہ عالم تھے اس کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ہر وقت سرشار اور مستغرق رہنے والے صاحب حال بزرگ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ تیں آجاتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت رکھنے والے حضرات کی توقیر اور بزرگداشت میں اس قدر غلغلہ مارتے

کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے پھر یہی نہیں کہ ان کو علوم دینیہ و اسلامیہ پر کامل عبور حاصل تھے بلکہ ایک ایسے صاحب تصنیف اور یگانہ روزگار مصنف کہ جن کے مسودات ناقابل شمار بلکہ ان مسودات سے معمور الماریاں ہی شمار کی جاسکتی ہیں۔ ان الماریوں کا جو حضرت کے مسودات سے معمور ہیں، میں سے خود مشاہدہ کیا ہے انہوں نے میرے بار بار توجہ دلانے کے باوجود ان کے فرزندان گرامی نے ان تصانیف کی طباعت و اشاعت پر توجہ نہیں فرمائی۔

آج حضرت رضا قدس سرہ کے بحر علمی کا کچھ اندازہ آپ کو قرآن پاک کے اس ترجمے سے ہو سکتا ہے جو تاج کبھی لیٹڈ کراچی نے شائع کیا ہے اور جس کے حاشیے پر آپ کے فاضل اور لائق شاگرد مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی تفسیر ہے۔ فتاویٰ رضویہ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ملاحظہ فرمائیے اور مشاہدہ کیجئے کہ حضرت فقیر پر کیسی دور بین نگاہ رکھتے تھے۔

انہوں نے فلسفہ، منطق، فقہ، علم توقیت اور جفر وغیرہ پر آپ کے قلم نے جو نو شکافیاں کی ہیں ان سے ہماری نظریں محروم ہیں اگر حضرت کی تمام تصانیف شائع ہو جاتیں اس وقت دنیا آپ کے پائے گاہ علم کو دیکھ کر حیران رہ جاتی اور آداب کمال کو اندازہ ہو جاتا کہ والامرتبت حضرت رضا قدس سرہ کے ذہن نے علم نقلی و عقلی کے کن کن بلند منادوں پر کند ڈالی ہے، ایسے گہر فشاں قلم سے ایسی فکر رسا سے جب نعمت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام ہوتا ہے اور جب خامہ رضا نعمت نگاری پر مائل ہو جاتا ہے تو اس کا کمال علی مقامین نعمت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے گلدستے بنت نہ انداز سے سمجھتا ہے، جب انکی فکر الفاظ کا جامہ پہن کر صفحہ قرطاس پر گریز یاں اور گلیشاں کرتی ہے تو اکثر اشعار مصطلحات علمیہ اور تعلیمات دینیہ سے مالا مال ہوتے ہیں، آئندہ اوراق میں حضرت رضا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کی اس خصوصیت کو پیش کرنا ہے اور بتانا ہے کہ حضرت رضا قدس سرہ نے اپنے مولیٰ، اپنے مالک اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت مبارک میں ان مصطلحات علمیہ کو کس طرح صرف فرمایا ہے، اس موقع پر شاہ

آپ یہ کہیں کہ ان مصطلحات علمیہ اور تعلیمات دینیہ نے حضرت رضا قدس سرہ کے کلام کو عیسایہ مفہوم اور مشکل بنا دیا ہے تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شاعر اپنے جذبات کی ترجمانی کرتا ہے اس کا بحر علمی اس کے خیالات و جذبات کو حسین گراں بہار رنگین اور نوبہ نوبہ لہرو انداز کی غلغلیتیں پہنا کر پیش کر دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی شاعر اپنے ماحول سے گریز نہیں کرتا۔

غالب نے اپنے ماحول سے کب بغاوت کی تھی یا نہ یہ ان کو کہنا پڑا

نہ سستائش کی تمنائے صمد کی پروا نہ سہی گر میرے اشعار میں معنی نہ ہی

لیکن حضرت رضا قدس سرہ کے یہاں ایسا نہیں ہے، شاعر نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ انیسویں صدی کا وسط تھا ان کا شعور جس عہد میں پروان چڑھا وہ ایسا دور تھا جب علوم مشرقی کی تعلیم و تدریس ہی معیار انسانیت و شرافت اور کمال آدمیت اس برصغیر میں سمجھی جاتی تھی، اسلامی علوم کی تحصیل ہر نوجوان کا مشغلہ تھا اور جس قدر وہ ان علوم میں کمال حاصل کرتا وہ اس کے بے سرمایہ فخر و مباہات بنتا، انیسویں صدی کے ربع آخر میں اور بیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان میں چند ایسے دینی مراکز موجود تھے جہاں سے علوم دینیہ کی سند کا حصول وجہ افتخار سمجھا جاتا تھا، ان درس گاہوں میں دور دراز کے شہروں اور غیر ملکوں سے نوجوان جوق در جوق حصول علم کے لئے آتے تھے بریلی کا دارالعلوم منظر اسام، لکھنؤ کا فرنگی محل اور مدرسہ فرقانیہ، یہ وہ درس گاہیں تھیں کہ جہاں سے سند تکمیل پانے والے حضرات نے اس برصغیر کے گوشہ گوشہ میں پھیل کر دین و حکمت کے چراغ روشن کئے۔ حضرت رضا نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اس میں اسلامی قدریں رچی بسی تھیں، اسلامی علوم کا سرچشمہ ہر طرف پھیلنا کو سیراب کرتا تھا، آج اُس عہد کی ادبی تصانیف ہی اٹھا کر دیکھئے اسلامی قدروں کی بھلکیں آپ کو اس میں ضرور ملیں گی اور آج وہی بھلکیاں عمر حاضری کے فہم پر بار ہیں۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت رضا کا بحر علمی ان کے خامہ نعمت نگار کا رخ اکثر ایسے مضامین

کی طرف موزن تھا جو ان کے عدد میں پرورد میں ذہنوں کی رسائی سے بلند و بالا تھے لیکن آج ہمارے ذہنوں کی رسائی ان بلند مضامین تک نامکن ہو گئی ہے۔ مباحث دینی اور مصطلحات علمی کا ذکر ہی کیا، آج مرزا غالب مومن خاں مومن، فانی بدایونی کا کلام جو سراپا تعزل کا آئینہ دار ہے ہمارے ذہنوں کی رسائی سے براہیل: درہے اور ہم ان شعرا کی سنی آفرینی پر مدھمتے ہیں ہاں تعریف میں غفل نہیں کرتے۔

سودا، ذوق اور مومن کے قصیدے، عیون لکھنوی کے مناقب، دبیر کے مرانی، حضرت محسن کا کوردی کے نعتیہ قصیدے اور ان کی تشایب، دبیر کے مرانی کی تعلیمات اور مذہبی روایات آج ہمارے لئے عمدہ اور چیستان بن کر رہ گئی ہیں اور سب اس کا بظاہر یہ ہے کہ ہماری معاشی کشود کار علوم مغربی کی سطحی تعلیم سے وابستہ ہو کر رہ گئی ہے، اس لئے علوم دینیہ کا سودا کوئی سر میں کیوں لئے پھرے اور علوم شرقیہ سے کیوں وابستگی پیدا کرے۔ آج دینی مدارس جس عالم کس پیرسی میں ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، بھادپور کی دینی درس گاہ سے اب کچھ توقعات پیدا ہو چکی ہیں لیکن اس کے اعلیٰ اور ارفع نتائج ابھی بہت دور ہیں۔ آج اگر ہمارا دینی شعور بیدار ہو نہ ہی علوم سے ہم کو وہی شغف ہوتا جو مغربی علوم سے ہے تو ایسے پرمغزو پر کیف اشعار ہماری ذہنی دسترس سے باہر نہ ہوتے۔

میں نے ابھی یہ عرض کیا تھا کہ حضرت رضا قدس سرہ کا نعتیہ کلام جس والہانہ کیفیت، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت رسول کے اظہار کے گہائے رنگارنگ سے معمور اور مزین ہے اس میں ایسے بہت سے اشعار ہیں کہ عصر حاضر میں عام قاری کا ذہن ان کی بلندی تک نہیں پہنچتا جس نے مختصر اسکے اسباب و علل پیش کر دئے ہیں، چنانچہ آج حضرت رضا قدس سرہ کے یہ ادراکی قبیل کے دوسرے اشعار تشریح طلب بن کر رہ گئے ہیں۔

مہر میزان میں چھپا ہو تو حمل میں چپکے ڈالے ایک بوند شپ نے میں جو بارانِ عرب

ضروری ہے کہ آپ علم ہیئت سے واقف ہوں اور علم نجوم پر بھی آپ کی نظر پڑا اور بروج میزان حمل کے خواص آپ سے پوشیدہ نہ ہوں اس وقت آپ باسانی اس شرکی لطافت اور مخنی آفرینی سے محفوظ ہو سکیں گے۔ اب میں چند ایسے اشعار پیش کر رہا ہوں جن کا تعلق، فلسفہ، حکمت، منطق، علم ہیئت اور نجوم کی مصطلحات سے ہے۔ آپ شاید یہ خیال کریں کہ نعت سرور کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم میں انص مصطلحات کے لانے کی کیا ضرورت تھی تو اس کی ایک وجہ تو میں ابھی عرض کر چکا ہوں، مومن خاں مومن بھی نعتیہ قصیدے کہتے ہیں تو اسی انداز کا کہتے ہیں۔

زبان لال کہاں اور مدح تاج خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعلِ افسر کا دوس

اسی طرح ذوق کے مدحیہ قصیدوں میں علمی مصطلحات کا رنگ دیکھئے، حضرت محسن کا کوردی کے نعتیہ قصیدوں کی تشایب اور نعت حضرت میں علمی اور دینی اصطلاحات کا استعمال اس لئے نہ تھا کہ وہ اپنے کلام کو ارفع و اعلیٰ بنانا چاہتے تھے یا بدرجائی کے قصیدوں کی طرح ان حضرات کو صنعت چیتان و معمر کا شوق تھا، ایسا ہرگز نہیں تھا، ان کے علمی نئے ان کے ماحول کیلئے غیر مالوس نہ تھے ہاں آج ہمارے لئے کہ ہم گراں گوشہ کی علت میں گرفتار ہیں ضرورت ان کی آواز ہماری سمجھ سے بالاتر اور فہم سے دور ہے اور دوسرا سبب حضرت رضا قدس سرہ کے یہاں مذہبی مصطلحات کے استعمال کا یہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کا مدار یہ ہے۔

زمین و زماں تمہارے لئے، کمین و مکاں تمہارے لئے
جنین چنناں تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے

کائنات کی ہر شے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف ہے اس لئے کہ وہ اسی ذات قدسی صفات کے لئے بنائی گئی، وہ ہر شے کے آقا و مالک ہیں، ان کی نعت پر ہر ذرہ زبان حال سے گویا

فضا کی ہر شے ان کے اوصاف کے بیان میں مشغول اور ہر حال اور ہر کیفیت ان کے ارفع و اعلیٰ مرتبہ کا ترجمان
اس لئے حضرت رضا قدس سرہ کی نظر جس چیز پر پڑتی ہے یا ان کی فکر جس فضا میں پرواز کرتی ہے وہ وہاں
نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مضمون پیدا کر لیتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجئے کہ ان کی فکر رسالے
کیسے بلند کی تک پرواز کی ہے اور نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیسی کیسی معنی آفرینی فرماتی ہے میں نے
ہر شعر کے نیچے اس کے مضمون کا علمی عنوان تحریر کر دیا ہے تاکہ ذہن جلد اس طرف رجوع ہو سکے۔
وہ گراں سنگی قدر مس وہ ارزانی جود نوعیہ بدلائے سنگ و لآلی باقیہ میں

(فلسفہ نظری)

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبادت کہاں حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(فلسفہ مابعد الطبیعیات)

زبان فلسفی سے امن و خرق و التیام سری بنایا دور رحمت ہائے یکساعت تسلسل کو

(فلسفہ مابعد الطبیعیات)

دنیا، مزار، حشر، جہاں ہیں غفور ہیں ہر منزل اپنے چاند کی منزل غفر کی ہے

(علم نجوم)

سجین کا قرآن ہے پہلوئے ماہ میں جھرمٹ کئے ہیں تارے تجلی قمر کی ہے

(علم نجوم)

سُراخِ آئین و آئین کہاں ہے، نشانِ کیف و الٰی کہاں ہے

نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساقی، نہ سنگِ منزل نہ مر حلے تھے

(مابعد الطبیعیات)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے، عجیب چکر میں دائرے تھے

(ہندسہ و مابعد الطبیعیات)

کمانِ امکان کے جھوٹے نقطو! تم ازل آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کہ دھرے آئے کہ دھر گئے تھے

(مابعد الطبیعیات و علم ہندسہ)

بارہویں کے چاند کا بھرا ہے سجدہ نور کا بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

(علم نجوم)

ذرے ہر قدس تک تیرے توسط گئے حدِ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علم منطق)

سیاہی مائل اس کی چاندنی ہے قمر کا یوں فلک مائل ہے یا غوث

(علم ہیئت)

طلائے مہر ہے نکال باہر کہ خارج مرکز حامل ہے یا غوث

(علم ہیئت)

غایت و علت، سبب بہر جہاں تم ہو سبب تم سے بنا، تم بنا تم پہ کرد و کرد

(فلسفہ)

تم سے خدا کا ظہور، اس سے تمہارا ظہور لہر ہے یہ، وہ ان ہوا تم پہ کرد و کرد

(منطق)

ترامسب ہے مرفوع اس جا اصناف رفع کی عامل ہے یا غوث

(مداف و نحو)

بے سیم و قدیم و عدیل و مثیل جو ہر فرد عزت پہ لاکھوں سلام

(تفسیر)

فرشتے قدم، رسول ششم نام مہم غلام کرم وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تھے

(ما بعد الطبیعیات)

محمد مظهر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

(ما بعد الطبیعیات)

پوچھتے کیا جو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کریم کیفیت کے برائے جہاں کوئی بتائے کیا کیوں

(فلسفہ)

میں اتنے ہی اشعار پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ حضرت کے یہاں بکثرت ایسے اشعار موجود ہیں۔ یہ اشعار جو میں نے بطور نمونہ پیش کئے ہیں ایسے اشعار ہیں کہ ان میں سے ہر شعر کسی نہ کسی علی مسئلہ کا حامل ہے۔ بلکہ حضرت رضا قدس سرہ کے بحر علمی کا اگر اندازہ کرنا ہے تو ایسے اشعار ملاحظہ کیجئے جن میں نعت شہ کوئین صلی اللہ علیہ وسلم میں قرآن حکیم، ارشادات نبوی اور آثار و اخبار کی تلمیحات ہیں حضرت رضا قدس سرہ کے ہاں گاہ علم کا اندازہ کہیں ہوتا ہے اور شہ کوئین صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دالہانہ محبت آپ کے دل میں موجزن ہے اس کا بہتہ ان ہی اشعار سے چلتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہ کے یہ اشعار جو میں پیش کر رہا ہوں اسی قبیل سے ہیں جنکے درک معانی کیلئے ایسے شعور کی ضرورت ہے جو قرآن و حدیث و اخبار و آثار پر گہری نظر رکھتا ہو۔ یہی باعث ہے کہ عوام کے فہم ایسے اشعار کے معانی تک نہیں پہنچتے لیکن شہ والا مرتبہ سے مسلمان کو جو محبت ہے اس کے طفیل وہ ایسے

اشعار کو بھی سن کر لذت آشنا ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں اہتر کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، مداف کی بخشش میں ایسے اشعار کی بہتات ہے اور جناب رضا قدس سرہ کا یہی خاص رنگ شاعری ہے۔ فرماتے ہیں۔

لَا مُلْكَ لَّيْ جَهَنَّمَ مَحَا وَعْدُهُ اَزَلِي نہ منکروں کا عبث بد نصیب ہونا تھا

(قرآن پاک سورہ)

ہے کلام الہی میں شمس و ضحیٰ تیسے چہرہ نور فزائی قسم قسم شب تار میں رازیہ تھا کہ صیب کی زلف دنائی قسم

(قرآن پاک سورہ شمس۔ ضحیٰ پارہ ۳۰)

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا کہ کلام جمید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

(القرآن پارہ ۳۳۴۵)

قدر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں روح قدس سے پوچھتے تم نے بھی کچھ سنا کیوں

(والجہم پارہ ۳)

ہر خط کف ہے یہاں اے دست بیضائے کلیم موجزن دریائے نور بے مثالی ہاتھ میں

(طہ پارہ ۱۶)

غنے ما اوحیٰ کے یوں چٹکے دنیٰ کے باغ میں بلبل سدہ تک ان کی بوسے بھی محروم ہیں

(پارہ ۷۷) (سورہ الانعام)

ایسا اُمّی کس لئے منت کش استاذ ہو کیا کفایت اسکو اقواء ربک الاکوہ نہیں

(سورہ طلق پارہ ۳)

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں، شرح و الشمس ضحیٰ کرتے ہیں

اُن کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

(سورہ ضحیٰ)

(پارہ ۳۰)

شش بہت سمت مقابل شب روز ایک ہی حال
دھوم و دھم میں ہے آپ کی بیٹائی کی،
(والجہم)

نہ عرش، امین نہ اقی ذاہب میلہ ہانی ہے
زلطف ادن یا احمد نصیب سن مترافی ہے
(الحديث) (القرآن)

مَنْ نَارُ تَوْبَتِي وَجَبْتُ لَهُ شَفَاعَتِي
ان پر درود جن سے نوید اس بشر کی ہے
(الحديث)

ان پر کتاب اتری بیانا بکلی شئی
تفصیل جس میں ماعبر ماعبر کی ہے
(الحديث)

یہ اُن کا بڑھنا تو نام کا تھا حقیقتاً فضل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا "دنی تدنی" کا سلسلہ تھا
(والجہم)

مڑگاں کی کھفیں چار ہیں، دو ابرو ہیں
"وَالْفَجْر" کے پہلو میں لیال عشر
(الفجر)

سَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى
حق نمودت چہ پاسدار یہاں
(الضحیٰ)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ مِثْلُ النُّجُومِ حَقٌّ،
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام
(سورة القدر)

معنی فتد سائی مقصد مطلقہ

زگس بارغ قدرت پہ لاکھوں سلام

(الہجم والحديث)

یعنی اس افضل المخلوق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
(القرآن)

اے رُحّت را غازہ تطہیر واذ ہاب نہیں
اے لبث را مایہ فصل القضا امداد کن
(القرآن)

اے بحیات بحر یامین زشمس و زہریر
اے ترافدوس مشتاق لقاد امداد کن
(سورة الدبر)

یا طلیق الوجه فی یوم عبوس قطریر
یا ہیج القلب فی یوم الاسے امداد کن
(سورة الدبر)

اے وقایم ربہم امت زشر مستطیر
مجرم میجویم از کیفر وقاد امداد کن
(سورة الدبر)

نیست فضالش بہر قوم بے ادب
یخطف ابصارہم برق الغضب
(سورة لقوہ)

بَلْ هُمْ مَّا سْتَعْمَلُوا خِزْيًا عَظِيمًا
ارسلت ریم بتعذیب الیم
(سورة القرآن)

قُلْ كُذِّبُوا خَرَجَ الشَّيْطَانُ إِلَى
أَزْرَقَا سْتَغْلَظَا ثُمَّ اسْتَوَى
(سورة الفتح)

یعب الزّراعی کا ہاء المعین
کے یعیظ الکافرین الظّالمین
(سورة الفتح)

سنگریزہ می زہد دست جناب
مَا رَمِيتْ اِذْ رَمِيتْ اَمْدُ خُطَابِ
(القرآن)
رَبَّنَا اِنَّا ظَلَمْنَا رَحْمَکَہِمْ ،
جاہلانہ گفتہ بودیم این سخن ،
(القرآن)

یہ تو چند اشعار وہ تھے جن میں فاضل لبیب نے آیات قرآنی اور احادیث و اخبار سے اقتباس کیا ہے۔ ایسے اشعار کے علاوہ بکثرت ایسے اشعار بھی مجموعہ کلام میں موجود ہیں جن میں عالمانہ رنگ کی ایسی لطیف اور دلنشین رنگ آمیزی ہے جس کا پر تو کہیں کہیں مولانا ظفر علی خاں اور زیادہ تر علامہ اقبال کے یہاں موجود ہے اور عمر حاضر میں عزیز خالد کے یہاں۔

علامہ اقبال اور حضرت رضا قدس سرہ کے یہاں بڑی حد تک مماثلت ہے فرق یہ ہے کہ علامہ اقبال کے یہاں دائرہ وسیع ہے یعنی وہ خودی، نہ خودی، مسلمانوں کی ترقی، ان کی سیاسی اور معاشی زندگی اور ان کے عروج و سر بلندی وغرضیکہ ہر موضوع کے تحت جو کچھ لکھتے ہیں اس کا استدلال آیات قرآنی اور اخبار و آثار سے اسی طرح کرتے ہیں اور حضرت رضا قدس سرہ کے یہاں یہ دائرہ محدود ہے یعنی وہ عشق مصطفوی اور مقام رسالت کی رفعت و سر بلندی کے اخبار میں قرآن اور سنت سے استدلال فرماتے ہیں۔

اب میں حضرت رضا قدس سرہ کے ایسے اشعار پیش کرتا ہوں جن میں انکے بحر علمی کی شان اور سرورِ عالم و عالمیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا رنگ جھلکتا ہے۔ اُن کے بحر علمی کے پیش نظر یہ گمان کرنا ہی غلط ہے کہ اُن کا قلم سرشاری محبت میں اُن مقامات تک جا پہنچا ہوگا، جہاں شریعت اس کا زبان و قلم کا علم دیتی ہے۔

ایک فدائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد ہے

لَا یُمْکِنُ الشَّاعِرُ کَمَا کَانَ حَقُّہُ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آج بھی زبان زدِ خاص و عام ہے۔ حضرت رضا قدس سرہ کا کیفیت آفریں کلام اسی بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کی توضیح و تشریح ہے جس میں ہر شرکی ٹی شان اور دنیا انداز ہے۔ وہی عرفی شیرازی جس نے اپنے لغتہ قصائد میں قدم پر بقول خود اس امر کا اہتمام اور التزام کیا ہے کہ

عرفی مشتاب این زو نعت ست نہ صحر
ہشیار کہ زہ بر دم تیغ است قدم را

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور کمالات بقوت بیان کرتا ہے تو بے دھوک کہہ اٹھتا ہے۔

تقدیر بیک نافت نشاید دو محل
سمائے حدوث تو دلیلائے قدم را

عرفی بڑی بلند آہنگی سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اگرچہ اجتماع صدیقین محال ہے اور اس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ارفع و اعلیٰ اس کا تہ سے مستثنیٰ ہے اور آپ کی ذات میں حدوث و قدم کا اجتماع تھا اور کیوں نہ ہو تاکہ جب تک ذات گرامی کے نور پاک کا ظہور نہ ہوا اس وقت تک بقول عرفی

مورّد متعین نہ شد اطلاق اسم را

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت رضا قدس سرہ کے عالمانہ رنگ نے نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے دلکش اور حسین گلدستے سجائے ہیں اور بہارستان کوئین سے ایسے

حسین بھول منتخب کئے ہیں جن کی دلاویز خوشبو پر ایمان وجد کرتا ہے اور پروبال محبت
اہتراز میں آتے ہیں :-

حدیث قدسی لولا لک لہا خلقت الافلاک کی تشریح میں عرق شیرازی نے
تو اس طرح کہا ہے

تاجیج امکان و وجوبت نوشتند موزد متعین نہ شد اطلاق اعم را

تا نام ترا نافر بہرست نکردند شیرازہ مجموعہ نہ بستند کرم را
حضرت رقتا اس کی تشریح و توجیہ اس کیفیت آفرین انداز میں فرماتے ہیں :-

یہی ہے اصل عالم، مادہ ایجاد خلقت کا یہاں وحدت میں برپا ہے عجب رنگا رنگ کثرت کا
محمد مظهر کامل ہے حق کی شان وحدت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا

دور تسلسل ایسی خشک فلسفیانہ اصطلاحات کو نعت والا میں پیش کرنا خامہ رقتہ کا کمال ہے،
ملاحظہ کیجئے :-

بڑھاپہ سلسلہ رحمت کا دور زلف والا میں تسلسل کا لے کو سونہ گیا عصیا کی خلعت کا

انہی کے اس شعر پر اباب فصاحت وجد کرتے ہیں جو انھوں نے ایک مرثیہ کی تمہید میں منظر
نگاری کے ضمن میں پیش کیا ہے، انہی گرمی کی شدت کو اس انداز سے چیت کرتے ہیں :-

مردم تھے سات پردوں کا اندر عرق میں تر خشن خانہ ہڑہ سے بھکتی نہ کھتی نظر

گر آنکھ سے نیکل کے ٹھہر جائے راہ میں

پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

انہی نے جو کچھ کہا ہے بہت خوب کہا ہے لیکن جو کچھ کہا ہے وہ منظر نگاری کے سلسلہ میں کہا ہے
اور ہفت پردہ ہائے چشم کی طرف ایک لطیف کنایہ سے کام لیا ہے لیکن حضرت رقتا نے ہفت پردہ ہائے
چشم سے نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عجب انداز سے کام لیا ہے اور کیا لطف پیدا کیا ہے :-

ہوئے کم خوابی، بچراں میں ساتوں پردے کم خوابی

تصور خوب باندھا آنکھوں نے استار تربت کا

یاد گیسو، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت صادق ہی کا کام ہے اور اس یاد میں جب اس کے
دل سے آہ نکلتی ہے تو وہ بھی ذکر الہی بجاتی ہے،

آہ کس طرح ذکر الہی بنتی ہے ملاحظہ فرمائیے :-

یاد گیسو ذکر حق ہے "آہ" کمر

دل میں پیدا "لام" ہو ہی جائے گا

آہ کے دل میں اگر ل، کو داخل کر دیا جائے تو "اللہ" بجاتا ہے پس یاد گیسو صلی اللہ
علیہ وسلم میں آہ کرنا بھی اللہ اللہ کرنا ہے :-

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نعت گو شعرا نے عجیب عجیب انداز سے نظم کیا ہے۔ علامہ اقبال
نے اس سے کمال بشریت کو ثابت کیا ہے، فرماتے ہیں :-

سبق بلا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

جہاں آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر نبوت ساتھ جس کو لگی وہ ایمان تو ہے

والد محترم حضرت عاصی بریلوی نے اس طرح نظم کیا :-

وہ اتنی جلد سیر لامکاں کر کے ہوئے واپس کہ تھی زنجیر جنبش میں اور گرمی تھی بہترین

راقم الحوادث نے اس سلسلہ میں جسارت کی اور اس طرح عرض کیا ہے۔
جو اس منزل پہ ہو پھر پوچھنا کیا اس کی منزل کا
قدم پہلا بڑھائے اور حریم ناز آجائے،

امیر مینائی فرماتے ہیں:-

کس کے آنے کی فلک پر ہے خبر آج کی رات
آنکھ سورج سے ملاتا ہے مگر آج کی رات

تو چاہے تو ہر شب ہو مثال شب اسرے
تیرے لئے دو چار دم عرش بریں ہے

سر عرش پہنچانے کوئی، مگر ہاے
محمد علیہ السلام! اللہ! اللہ!

سحر انصاری فرماتے ہیں:-

قبلہ ارباب دانش، کعبہ اصحاب دل
دستِ خالی میں عنانِ بحر و طوفان لگی
آپ کی معراج سے بدلا مزاج آب و گل
گردش گردوں بھی زیرِ دامِ انساں آگئی

آب حضرت رضا کا رنگ ملاحظہ فرمائیے:-

بندہ پلنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گئے جلوہ ظاہر گیا
اس شعر میں "بندہ" فرما کر معراج جسمانی کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا ہے۔
اب اسی مضمون کو عالمانہ رنگ میں فرماتے ہیں:-

(۱)

زبانِ فلسفی سے امن و خرق و التیام ہری
بنایا دورِ رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو

(۲)

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جان ملیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

(۳)

قہرِ قدس کے راز میں عقلیں لوگم ہیں جیسی ہیں
حضرت رضا بریلوی نے زبانِ فلسفی والے شعر میں منکرینِ معراج کا رد بھی بڑے لطیف انداز سے
فرمادیا ہے کہ فلاسفہ فلک میں خرق و التیام کے قائل نہیں ہیں حالانکہ ثبوتِ معراج جسمانی میں نص
وارد ہے یعنی سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ
الْأَقْصَى اَلَمْ يَكُنْ لَكَ يَوْمَئِذٍ هَدًى وَلَوْ رَدُّوهُ لَوُفَّ السَّمَاءُ كُفًى وَلَوْ رَدُّوهُ لَوُفَّ السَّمَاءُ كُفًى
الہی شخصیتِ عبد کو حق پر مٹانے اپنے شعر میں پیش کیا ہے:-

بندہ پلنے کو قریب حضرت قادر گیا
لمعہ باطن میں گئے جلوہ ظاہر گیا

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و شہادتیں ہیں، حضرت رضا قدس سرہ نے اپنے پاکیزہ
اور پر کیف انداز میں بعض معجزات کی جانب بھی اشارے کئے ہیں۔

مہرِ میزان میں چھپا ہو تو حمل میں چمکے
ڈالے ایک بوندِ شبِ دے میں جو بارانِ عزت

یہ گراں سنگی قدر رس یہ ارزانی بخود
نوعیہ بدلا کے سنگِ دلائی ہاتھ میں

تیری مرضی پا گیا سورج پھر اٹھے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی نہ کا کلیجہ چر گیا

میں تیری ہاتھوں کے صدف کیسی ٹکڑیاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعہ منہ پھر گیا

ہر کس منہ سے جلو داری جاناں کرتا
سایہ کے نام سے بزار ہے یکتائی دوست

ہے لبِ عیسیٰ سے جان بخشی زالی ہاتھ میں
سنگِ یزید پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

بغیر ہر عرب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمہ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

انگلیاں پائیں وہ پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش پر آتی ہے جب غم خواری، تشنہ سیراب ہوا کرتے ہیں

چاند اشارے کا ہلا حکم کا ہاندھا سورج
واہ کیا بات شہا تیری تو اتنا فٹے کھے

چاند شق ہو پڑو لیں، چاندور سجدہ کریں
بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

اس موضوع پر حضرت رفقا کے اور بہت سے اشعار ہیں ہر شعر پر کثرت اور وجد آفریں ہے میں یہاں
طوات کے خون سے انہی اشعار پر بس کرتا ہوں اور اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

فکرِ رفقا کو شانِ شفاعت کا اظہار مقصود تھا لیکن سلیمان عرب کا ذکر کر کے ایک عجیب انداز
سے شفاعت کو پیش کیا ہے:-

عرش سے مردہ بلفیس شفاعت لایا
طارہ سدرہ نشیں مرغِ سلیمان عرب

دارالبحر اور دارالعمل کے فرق کو کس شانِ عقیدت سے بیان فرماتے ہیں۔

آج لے اُن کی پناہ، آج مدد مانگ اُن سے

پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مانے گی

کنعان اور یوسف علیہ السلام کی رعایت سے تعبتِ مصطفویٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ پیدا کرنا غافل
رفقا کا کمال ہے فرماتے ہیں:-

کوچے کوچے میں جھکتی ہے یہاں بوجے قمیص
یوسفستان ہے ہر اک گوشہ کنعانِ عرب

مقامِ محمود کا ذکر کس قدر اچھوتے انداز میں پیش فرمایا ہے، ملاحظہ کیجئے:-
عرصہ حشر کجا، موقفِ محمود کجا
سازِ ہنگاموں سے کتنی نہیں یکتائی دوست

اَنْتَ فِیْہُمْ نے مدد کو بھی لیا دامن میں
عیشِ جاوید مبارک تجھے شیدائی دوست
فرما کر آپ نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اَنْتَ فِیْہُمْ اَلَا یَہْدٰہِمْ
اور

بتایا ہے کہ مہربان رسول اور عاشقان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مرتبہ ہوگا جبکہ آپ کے وجود باوجود
کی برکت سے کافر مذاب الیم سے محفوظ ہیں۔

نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ رخ قابل ملاحظہ ہے کہ دعائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم
کا ذکر کرتے ہیں تو کس شان اور ادب کے ساتھ فرماتے ہیں:-
(صلی اللہ علیہ وسلم)
اجابت کا سہرا، عنایت کا جوڑا
دلہن بننے کی دعا، محمد

نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ادب کا یہ پاس کیا کسی دوسرے کا حصہ ہو سکتا ہے؟
والشمس وضحیٰ اور والعلی واللیل اذا اجئی کی تفسیر و تعبیر نعت میں ملاحظہ کیجئے کہ کس
طرح سراپائے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے تطبیق کی ہے جن کو ظاہر میں نگاہیں عام
فہمیں سمجھتی ہیں۔

ہے کلام الہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں رازیہ تھا کہ حبیب کی زلف دہا کی قسم

اللہ اللہ! دیار رسول، کلام رسول اور زندگانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسمیں
خالق ارض و سما نے کھا کر ہم پر یہ واضح کر دیا ہے کہ جو مرتبہ میرے محبوب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں اور یہی نقطہ حضرت رقتا قدس سرہ کی نعت گوئی کا اصل موضوع
ہے ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت رقتا نے کس انداز سے

لَا أَقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ وَأَنْتَ حِلُّ الْبَلَدِ تُوْحَى شہر رسول کی قسم اب کلام
رسول کی قسم ملاحظہ کیجئے وَقِيلَ يَا رَأْبَ أَنْ هُوَ لَا يُؤْمِنُونَ اور

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا انداز ملاحظہ ہو، لَعْنَةُ رَبِّكَ إِنَّمُمْ رَفَعِي سَكْسَ رَبِّهِمْ يَعْجُزُونَ
حضرت رقتا نے ان تینوں قسموں کو کس انداز سے نظم فرمایا ہے۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو بلا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خصائص نبوت میں سے ہے جو صرف آپ ہی کیلئے
مختص ہے۔ اس سفر پاک کی جو تصدیقات قرآن پاک میں سورہ والنجم اور دوسرے مقامات پر ہیں ان کی
توجیہات فہم انسانی نے اپنے بساط کے مطابق کی ہیں ورنہ حقیقت ہے کہ جہاں اعراف کا گزرنہ ہوا اور
کیف و کم جہاں بار نہ پائیں، ائین و متی کی حدود جہاں ختم ہو جائیں اس کو انسانی علم کس طرح حیطہ بینا
میں لاسکتا ہے، اس لئے کہ

یہ درائے فہم و شعور ہے یہ مقام عین شہود ہے

یہ کمال قرب کا ذکر ہے، سفر حبیب کی بات ہے شمس بریلوی

حضرت رقتا بریلوی اس کیفیت و کم سے دراز سفر حبیب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوہ

کیف کے پر جہاں جلیں، کوئی بتائے کیا کہ یوہ

اسی لئے حضرت رقتا قدس سرہ نے فرمایا کہ انسان تو انسان، حضرت جبریل علیہ السلام بھی اس

راز سے واقف نہیں۔

اس حقیقت کو حضرت شیخ سعدی نے حضرت جبریل کی زبان ہی ترجمان سے اس طرح ظاہر

فرمایا ہے:-

اگر ایک سرموئے برتر پر مرم ، فردی تجلی بسوزد پر مرم ،
کوثر و زم زم کا تقابل ملاحظہ کیجئے ، ایک حضرت اسماعیل علیہ السلام سے منسوب ہے اور دوسرا حضرت
رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے ، اس تقابل کو حضرت رفقا قدس سرہ کس عالمانہ انداز
میں پیش فرماتے ہیں :-

اس میں زم زم ہے کہ ختم ختم ، اس میں جم جم ہے کہ بیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں
زم زم کے معنی سے کمی کو ثابت کیا ہے اور جم جم سے کوثر کی کثرت کی سند پیش فرمائی ہے ۔

رحمت عالم و عالمان دستگیر یکساں صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی اعتبار سے کسی استاد سے علم
حاصل نہیں کیا کلاس کمال شان رسالت میں نقص کا امکان تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب و برگزیدہ نبی
کو ہر نقص و کوتاہی سے پاک رکھا تھا ۔ اس لئے آپ بظاہر اُمّی تھے لیکن حقیقت میں آپ کا پانگاہ علم
کیا تھا ، حضرت شیخ سعدی کی زبان سے سنئے :-

یتیمہ کہ ناکردہ قرآن درست

کتاب خانہ چند ملت پرشت

لیکن حضرت رفقا بریلوئی نے آپ کے اُمّی ہونے کی توجیہ کچھ اور ہی شان اور انوکھے انداز
سے فرمائی ہے ۔ کہتے ہیں :-

ایسا اُمّی کس لئے وقت کش استاد ہو ،

کیا کفایت اس کو افراد یک الاکرم ، نہیں

مسئلہ امتناع نظیر یعنی مثیل و نظیر حضور سرور کائنات متنب بالذات ہے ، اس علمی مسئلہ کو نہایت
رسول اللہ علیہ وسلم میں پیش کرنا اور وہ بھی اس طرح کہ لطف زبان باقی رہے عامہ رفقا کا کمال ہے ۔
فرماتے ہیں :-

ترافت تو نادر دہر ہے کوئی مثیل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کر چمن میں سرور و انیس

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
کہو اس کو گل کہے کیا کوئی کہ گھوں کا ڈھیر کہاں نہیں

اسی مسئلہ کو ایک اور جگہ عالمانہ انداز میں پیش فرمایا ہے لیکن انداز بیان پر عالمانہ رنگ
غالب اور بظاہر شاعرانہ رنگ کی کمی محسوس ہوتی ہے ، فرماتے ہیں :-

مکن میں یہ قدرت کہاں ، واجب میں عبودیت کہاں

حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حق یہ کہ ہیں عبداللہ اور عالم امکان کے شاہ

برزخ ہیں وہ سرِ حُدا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حضرت رفقا قدس سرہ کو سرکارِ مدینہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دوا بہانہ محبت
اور آپ کے دل میں جو حضور سے جذبہ پرستاری موجزن تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی فدا
کاری کا جو انداز عقاید تو وہ آپ کے ہر شعر سے نمایاں ہے ، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں یتاب

رہنے والے دل میں ہمیشہ ہمیشہ ہی آرزو پروان پرستی اور یہی جذبہ موجزن رہتا کہ شانِ مصطفوی
صلی اللہ علیہ وسلم کو ان رفعتوں تک پہنچا دیں، جہاں تک انسان کا علم اور اس کا قلم، اس کی
زبان اور اس کا خیال ساتھ دے سکتا ہے۔

حضرت رقتا بریلوی قدس سرہ کی اکثر تصانیف انہی جذبات کی آئینہ دار ہیں، حضرت رضا قدس
سرہ کی زندگی کا مقصود ہی یہ تھا اور آپ اپنے ایمان کا اصل سرمایہ اسی کو سمجھتے تھے کہ سرورِ دو جہاں صلی اللہ
علیہ وسلم کے ان مراتب کمال کو ہر پہلو سے ظاہر کریں جو خالقِ ارض و سما نے آپ کی ذات والا صفات
میں دویت فرماتے تھے، اس لئے جناب رقتا نے ہر اس مقام اور منزل کی جستجو کی اور ہر اس پہلو کو
نمایاں اور ہر اس وصف مصطفوی کو ظاہر فرمایا جو سرِ دارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ نبوت کا
آئینہ دار ہو سکتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہ نے عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق رہنا ہی اصل ایمان
سمجھا، اور اسی کو سعادتِ دارین گردانا، لیکن وہ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ ساتھ
ایک زبردست عالمِ دین بھی تھے، وہ اس دائرے سے کس طرح اپنا قدم باہر رکھ سکتے تھے جہاں
شریعت نے حدِ فاصل پہنچ دی ہے اور قدم آگے بڑھانے سے منع فرمایا ہے اور جہاں ادنیٰ سی لغزش
پا اہمالِ حسنہ کو معرضِ خطر میں ڈال دیتے کا ذریعہ بن سکتی ہے، عشق اور محبت کے تقاضے جدا ہیں اور
ہوش و خرد کے پیانے جدا۔

لیکن اُس دل کے لئے جو یادِ الہی کے ساتھ ساتھ یادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حرز جہاں بنائے
ہوئے ہو اور قرآن و حدیث کی تہذیب کے پہرے دار بھی عقل و شعور کے ایوان پر مستعد بیٹھے ہوں، شریعت کے
پاس بان احکامِ الہی کے طغرائے بیشانی لئے سامنے کھڑے ہوں، ضبطِ اعمال کا اندیشہ ہوا و رقیبوں کی
ادنیٰ سی لغزشِ محرومیِ مبادی کا ٹھکانا قرار دی گئی ہو، ایسی کڑی منزل سے ایک محبتِ صادقِ سیوقت

گزر سکتا ہے جب علومِ دینیہ کے کمال کا عصا ہاتھ میں ہو۔ اس مشکل اور ڈھلوان منزل کو حضرت رقتا
بریلوی نے عشق و محبت کے جذبہ کی سرشاری کے ساتھ سیکڑوں مرتبہ طے کیا ہے لیکن اپنے تجربے کے
سہارے سے۔

ذیل کے اشعار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ مکہ مکرمہ کے اوصاف کی ترجمانی اور ان کی رفعت کا
بیان جذبہِ ایمان کر رہا ہے اور اس کے مقابل میں مدرّۃ البقی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا انہار محبت
کی سرشاریاں کر رہی ہیں، صفات کے تقابل میں ایمان اور عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات
تحسین و ستائش سے مستثنیٰ ہیں۔ فرماتے ہیں:-

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو	کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو
آپ زمزم تو پیادہ خوب بھائیں پیالیں	آؤ خود شہ کوڑ کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میزاب ملے خوب کرم کے پھینٹے	ابرِ رحمت کا یہاں روزِ برستا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ	قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
ایمن طور کا تھا رکنِ مکانی میں فروغ	شعلہِ طور یہاں انجمنِ آرا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسہ سنگِ اسود	خاکِ بوسنی مدینے کا بھی جلوہ دیکھو
کر چکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پر وازیں	ٹوپی اب مقام کے خاکِ در والا دیکھو
خوب مسعی میں بامید صفا دوڑ چکے،	رہ جاناں کی صفا کا بھی تماشا دیکھو
رقصِ بمل کی بہاریں تو منیٰ میں دیکھیں	دلِ خونا بہ فشاں کا بھی ترپنا دیکھو

اس قبیل کے بکثرت اشعار آپ کے یہاں موجود ہیں، پیشِ نظر صفات کی تنگ دامانی مانعِ تفصیل ہے۔
جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، عالمانہ طرزِ بیان اور احتیاط کے ساتھ ساتھ جذبہِ محبت اور عشق

مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے میں ختم نہیں ہوتے حضرت رفقا قدس سرہ کی ہر غزل میں یہ رنگ رچا بسا ہے اور یہی انداز غالب ہے۔ حضرت رفقا کی یہ دلی آرزو ہے کہ
ایسا گما دے اُن کی رضا میں خدا ہمیں
دھونڈھ کرے پر اپنی خبر کو خبر نہ ہو
غالب نے تو اس معنوں کو صرف اتنی بلندی تک پہنچایا تھا کہ
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہلکو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی ،
لیکن جناب رضا تو خبر کو بھی خبر کرنا نہیں چاہتے۔
سرتیں در نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہا شوقِ سجدہ موجزن ہے لیکن شریعت روکتی ہے، شوقِ قلعہ
کرتا ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ تقاضہ محبت کس طرح پورا کیا جاتا ہے۔
اے شوقِ دل یہ سجدہ گراں کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو
ایسے سجدے کی جس کی خبر سر کو بھی نہ ہو منتہائے شوق ہے اور صرف دل ہی اس سے لذت یاب
ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں حضور کی آرزو کو اس شوق
طریقہ پر ظاہر فرمایا کہ اِنِّی ذَٰهِبٌ اِلٰی رَفِیٍّ سَیِّدٌ یٰۤاَیُّہَا مَوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام
نے آرزو کے دید میں جب التجا کی رُب آدنیٰ تو یہی جواب پایا اِنِّی تَوَافِی اور شبِ معراج میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا۔

اُدُنْ یَا اَحْمَدُ اُدُنْ یَا مُحَمَّدُ اُدُنْ یَا خَیْرُ الْبَرِیَّہِ
حضرت رفقا فرماتے ہیں۔

نہ عرش، اَیْمُن، نہ اِنِّی ذَٰهِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطف اُدُنْ یا اَحْمَد "نصیب" لَنْ تَرَافِی ہے
شعر مندرجہ بالا کے دونوں مصرعوں میں صنعتِ اقتباس موجود ہے، نفسِ قرآن اور حدیثِ مجزا مذکور ہے
اس لئے زبان کا لطف پیدا نہ ہو سکا۔ اسی انداز کا یہ شعر بھی ہے۔
کھٹے کیا راز محبوب و محبِ مستانِ غفلت پر
شرابِ قدراءِ الحقِ زبِ جامِ لَنْ تَرَافِی ہے
زبان اور طرزِ ادا کا لطف اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں تو اسی غزل کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے۔
نصیبِ دوستانِ گراں کے در پہ موت آئی ہے
خدا یونہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے
زبان کا لطف صنعتِ حسنِ تعلیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ مقامِ محبوب کی رفعتوں کی طرف کتنا
بلند اشارہ کیا ہے۔

ہر اک دیوار و در پر مہرنے کی ہے جیسں سائی

نگارِ مسجدِ اقدس میں کیا سونے کا پانی ہے؟

اب میں پھر اصل موضوع کی طرف آ رہا ہوں، یہ چند اشعار تو محض اس لئے پیش کر دیئے تاکہ
اندازہ ہو سکے کہ مباحثِ علمیہ زبان کی سلاست کا ساتھ نہیں دے سکتے، سلاستِ بیان اور لطفِ
زبان پر نہ جائیے بلکہ رفعتِ معنوں ملاحظہ فرمائیے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ! خاکِ طیبہ پر حسین سائی ملاحظہ ہو کیا کوئی ایسا قلم یہ معنوں پیدا کر سکتا
ہے جسے بیاضِ محبت پر حسین سائی نہ کی ہو، ساتھ ہی ساتھ لطفِ زبان اور سلاستِ بیان بھی ملاحظہ

جہاں کی خاک روئی نے چمن آرا کیا تجھ کو،
صبا ہم نے بھی اُن گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

بارگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا تقدیس سے بھرپور ماحول دیکھئے اور غور فرمائیے کہ وہ
کن نظافتوں اور لطافتوں سے معمور ہے۔

شر، خیر، شور، سُر، شر، دور، نار، نور

بشری کہ بارگاہ یہ خیر البشر کی ہے،

اسی بارگاہِ رافت و رحمت میں مجرموں پر کرم ملاحظہ ہوا اور وہ بھی قرآنی استدلال کے ساتھ :-

مجرم بلائے جاتے ہیں جِداؤ لٹ ہے گواہ

پھر رد ہو کب یہ شانِ کمروں کے در کی ہے

حضرت رضا قدس سرہ کی وہ نظم یا غزل سلسل جس کا عنوان ”تہنیت شادی اسرنی“ ہے،
اُن کے خاتمہ نعت نگار کا شاہکار ہے یہ مقام ہے جہاں ادنیٰ سی لغزش صرف کمال شاعری ہی پر پانی
پھیر دینے والی نہیں بلکہ جذلات کی حدود میں پہنچا دینے والی ہوتی ہے لیکن حضرت والا کے کمال شاعری
اور تعمیلی نے ایسے ایسے انداز دکھائے ہیں کہ روح و جد کرتی ہے اس غزل سلسل کا یہ تیسرا شعر پیش
نظر رکھئے :-

وہاں فلک پر یہاں زمین پر چمکتیں دھوئیں رچی تھی شادی

ادھر سے انوار ہنستے آئے ادھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

اب اس ”تہنیت شادی اسرنی“ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

نئی دہن کی پھین میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا،

تجر کے صدقے، کمر کے ایک تیل میں رنگ لکھوں بناؤ کے تھے

نظر میں دولہا کے پیارے جلوے، حیاتِ محراب سر جھکائے

سیاہ پردے کے منہ پہ آچل تجلی ذاتِ بخت کے تھے

غلاف کعبہ یعنی سیاہ پردے کو تجلی ذاتِ بخت کے آچل سے تعمیر کرنا خدا رضا کا کمال ہے۔

یہ جھومما میزاب زر کا جھومر، کہ آ رہا کان پر ڈھلک کر

پھو ہا برسی تو موتی جھڑ کر حطیم کی گود میں بھرے تھے

میزاب زر کو جھومر قرار دے کر اس کا جھومنا اور ڈھلک کر کان پر آنا اور حطیم کی گود کا موتیوں سے

بھرنے کیسی حسین اور پاکیزہ محاکات ہے اور وہ بھی نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں! اسی نظم

میں لباس کی آرائش تو ملاحظہ کیجئے :-

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا لباس آپ رواں کا پہننا،

کہ موجیں چڑیاں تھیں دھار لچکا، حجاب تاباں کے تھل تھلے تھے

اور

پراتا پر داغ ملگیا تھا، اٹھا دیا فرش چاندنی کا

ہجوم تارنگہ سے کوسوں، قدم قدم فرش بادے تھے

چاندنی کے ملگجے فرش کو اٹھانا اور اس کی بجائے تارنگہ سے بادے کا فرش بچھانا، سبحان اللہ!

سبحان اللہ داد سے مستغنی ہے۔

ملاحظہ کیجئے اب دولہا کا صدقہ اتارا جا رہا ہے۔ شر کو نبین صلی اللہ علیہ وسلم پرے کیا صدقہ

اتار گیا اور وہ صدقہ لینے کے لئے کون کون چل رہا تھا۔

اتار کر اُن کے رُٹ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا

کہ چاند سورج چل چل کر جیس کی خیرات مانگتے تھے

تاکہ ان کی تابانی میں کبھی فرق نہ آئے اور جیس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ پا کر ہمیشہ اسی طرح نور

افشاں رہیں،

اس تشبیب کے بعد گریز اور پھر سفر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ملاحظہ کیجئے:-

یہی سماں تھا کہ ہیک رحمت خبر یہ لایا کہ چلئے حضرت

تمہاری خاطر کشادہ ہیں، جو کلیم پر بند راستے تھے

(سنن بیہقی، ص ۱۰۰)

بڑھ اسے محمد، تشریں ہوا احمد، قریب آسور و محمد

نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی، یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

یہ وہ عالم ہے جہاں عقل و خرد کا گزر نہیں اور فہم ان کیفیات کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکائے گماں سے گزریں گزرنے والے

بڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائیں کہاں گئے تھے،

سُرخِ آئین و مٹھے کہاں تھا، نشانِ کیفِ وائی کہا تھا

نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساقی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

اب کمالِ قرب کا ذکر اور اس کی کیفیت ملاحظہ کیجئے:-

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصلِ خطوط واصل

کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکرتیں دائرے تھے

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اولِ آخر کے پھیر میں ہو

محیط کی چال سے تو پوچھو کہ ہرے آئے کہ ہر گئے تھے

اس نظم ”تہذیب شادی شبِ اُسرئی“ کا تمام تربی انداز ہے، قرب الہی کی کیفیت،

پھر اس کیفیت کا عالم محسوسات سے دُرا ہونا اور اعراف یعنی امین، مئی، کیف و کم کا اس عالم قرب میں گم ہونا کیسے بلند پایہ افکار ہیں، جہت کو لالے پڑنا بتا رہا ہے کہ وہاں اعراف کا زمان و مکان کا گزر نہ تھا۔

نہ عالم قرب میں خط سفر تھا کہ ابتداء اور منتہا کا تعین کیا جاسکے گویا ایک محیط تھا کہ جس میں اول و آخر کا تعین نہیں ہو سکتا، یہ تو عالمِ ناز رنگ کی جھلکیاں تھیں، اس نظم یا غزل سلسل میں شاعرانہ رنگ اور شاعرانہ

لطافتیں بھی قابلِ دید ہیں، وہ طبع جو لطافتِ شاعرانہ کی خواہاں رہتی ہیں ان کے مذاق کی تسکین اور رنگینیِ نظر کے بھی سامان موجود ہیں جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس نظم کو از اول تا آخر یہاں پیش

کر دوں لیکن صفحات تنقید کی تنگ دامانی ماننے ہے۔

و جبرِ ممکنات سزِ کائنات رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجودِ باوجود کا صدقہ ہے اور لولہ لعلِ لہا

خَلَقْتُ الْاَفْلاَکَ اس پر دال ہے، اس حدیثِ قدسی کی تشریح بیشتر نفوسِ قدسیہ اور علمائے

کرام و صوفیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے مقام پر کی ہے اور خوب خوب حقیر

و توضیح کی ہے میں یہاں اسی حدیثِ قدسی کی اس توضیح و تشریح کو پیش کر رہا ہوں جو جنابِ رفقا بریلوی

قدس سرہ کے خامہِ ندرت نگار نے کی ہے، اللہ اللہ کیسے کیسے حسین پیرائے اختیار فرمائے ہیں فرماتے ہیں:-

زمین و زماں تمہارے لئے مکین و مکاں تمہارے لئے
 چین و چٹان تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے
 فرشتے خدمِ رسولِ حشمِ تمامِ امم، غلامِ کرم،
 وجود و عدم، حدوثِ قدم، جہاں میں تمہارے لئے
 کلیمِ وحی و صفیِ خلیل و رضی رسول و نبی،
 عتیق و وصی غنی و علی ثنا کی زباں تمہارے لئے
 وہ کنزِ نہاں، یہ نورِ فشاں وہ کن سے عیاں یہ بزمِ نکاں
 یہ ہر تن و جاں، یہ باغِ جناں، یہ سارا سماں تمہارے لئے
 یہ شمس و قمر، یہ شام و صبح یہ برگ و ثمر یہ باغ و ثمر
 یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکمِ رواں تمہارے لئے
 جہاں میں جن جن میں سخن میں سخن میں پھینچیں دہن،
 سزائے سخن پہ ایسے مہن، یہ اکمن و امان تمہارے لئے
 عطائے ارب، جلائے کرب، فیوضِ عجب بغیرِ طلب
 یہ رحمتِ رب ہے کس کے سبب برکتِ جہاں تمہارے لئے

یہ غزل جو ۱۲۴ اشعار پر مشتمل ہے اس میں خامہِ رفقا قدس سرہ نے بھی بتایا ہے کہ زمین و زماں
 شش جہات و ہفت آسمان، کونین کے تمام ساز و سامان کی ملکیت غائی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا وجود مبارک ہے اور اسی حقیقت کو جنابِ رفقا قدس سرہ نے طرزِ ادا کے لئے پیرایوں اور
 متنوع انداز میں پیش کیا ہے ہمارے مغزِ لیلین شعرانے اپنے اپنے انداز میں محبوب کیلئے دیدہ دل

فرشِ راہ کئے ہیں لیکن نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کے لئے بھی ایک خاص سلیقے
 کی ضرورت ہے۔ نعت میں اس مضمون کی رفعت ملاحظہ کیجئے۔

غبارِ بن کر نثار جائیں، کہاں اب اس رُہِ گزر کو پائیں
 ہمارے دل، حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کی پر جہاں بچے تھے

تغزل کا میدان محاکات کے لئے بڑی وسعت رکھتا ہے، غزل نگار شعرا کے یہاں محاکات کے
 بڑے پر لطف انداز ملتے ہیں اور بڑے دلکش اور دلنشین اشعار اس خصوصیت کے حامل موجود ہیں
 لیکن نعت شریف میں محاکات اس قدر مشکل مرحلہ ہے کہ شاید ہی آپ کو کسی نعت گو شاعر کے
 یہاں یہ خصوصیت بقیدِ آداب نعت نظر آئے۔ خامہِ رفقا نے اس خصوص میں بھی اپنا کمال دکھایا ہے
 قصیدہ در تہنیت شادیِ اسرئی "ملاحظہ کیجئے، محاکات سے بھرپور اشعار آپ کو بکثرت وہاں ملیں گے
 فرماتے ہیں:-

تجلیِ حق کا سہرا سر، صلوة و تسلیم کی پچھ در،
 دو رویہ قدری پرے جہانے کھرے سلامی کے واسطے تھے

اٹھی جو گردِ زہِ منور، وہ نورِ برسا کے راستے بھر
 گھرے تھے بادل بھرے تھے جلِ قلمِ اندکے جلِ اہلِ بے تھے

دہن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیمِ گستاخِ آنجلوں سے
 غلافِ مشکین جو اڑ رہا تھا، غزالِ نافے بسا رہے تھے

نئی دہلی کی پھین میں کعبہ، نکھر کے سنورا سنور کے گھرا
حجر کے صدقے، کمر کے اک تن میں رنگ لکھوں بناؤ گئے تھے،

پڑانا پڑ داغ ملگیا تھا، اٹھ دیا فرش چاندنی کا
ہجوم تاریک سے کوسوں، قدم قدم فرش بادے تھے

شب اسرئی میں عالم قرب کا حال جو کیفیت و کم کی تعبیر سے مستغنی تھا، سبحان اللہ کس انداز
سے بیان فرمایا ہے۔

چلا وہ سرو چہاں خرواں، نہ رک سکا سردہ سے بھی دماں
پلک بھٹکتی رہی، وہ کب کے سب این واں سے گزر چکے تھے

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے جس منزل پر حامل و جی الہی کی زبان سے یہ اقرار بھی کرایا تھا۔

اگر ایک سر موئے بر تر پر م، سروغ تجبئی بسوزد و پر م
سبحان اللہ حضرت رفقا کا خاتمہ کس بانگین سے اس مضمون کو ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ رفعت
مقام تو ملاحظہ ہو۔

بھٹکے تھے رُوح الامیں کے باز و چٹا وہ دامن کہاں پہلو
رکاب پھوٹی، امید ٹوٹی، نگاہ حسرت کے دلوے تھے

ان تین اشعار میں محاکات کا کمال "مقام قرب" میں ملاحظہ کیجئے۔

اُدھر سے پیہم تقاضے آنا، اُدھر تھا شکل قدم بڑھانا،
جلال و ہیبت کا سامنا تھا ہماں و رحمت اُٹھارتے تھے
بڑے تو لیکن جھٹکتے ڈرتے جیسے جھٹکتے اُدب سے رکتے،
جو قرب اُٹھیں کی روش پر رکتے تو لاکھوں منزل کن وصل تھے
پران کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتہً فعل تھا اُدھر کا،
تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدری کے سلسلے تھے،

آپ عالم قرب کی محاکات ملاحظہ ہو کیا انداز ہے اور کس قدر تلخ کناٹے ہیں۔

ہوا نہ آخر کہ ایک بجرا، تہوج بحر ہو سے ابجرا
دنی کی گودی میں اُن کو لے کے فنا کے نثر اٹھارتے تھے
اٹھے جو قصر دنی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دنی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے ارے تھے

تو ہاں تو جا ہی نہیں دنی کی نہ کہہ کہ وہ ہی نہ تھے، ارے تھے "فرما کر جس کمال قرب کا اظہار فرمایا ہے اور
جس دقیق ترین مسئلہ کو چند لفظوں میں مکمل فرمایا ہے وہ دارے مستغنی ہے۔

طبعِ رصنا قدس سرہ نے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰی السَّيِّئِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ہ کی تعبیر و تشریح میں جس تجرعلی کی شان دکھائی
ہے اور جس مودت و محبت اور فداکاری کو پیش کیا ہے اور جس جس انداز سے اس حکم الہی کو کجا لائے
ہیں اور سلام عقیدت و محبت کو تنوع اور رنگارنگی کے ساتھ پیش کیا ہے، میری نظر ایسا حسین شاہ کا
نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہیں اور نہیں دیکھ سکی ہے۔

خامہ رخصتا اور طبع رخصتا قدس سرہ نے ۱۰۰ سلام پیش کئے ہیں، ان سلاموں میں نبوت کے اوصاف سرور کو نین صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب عالیہ اور حضور کے سراپائے اقدس کو جس خوبی سے پیش کیا ہے، اس کی کیا تشریح کروں اور ان اشعار کی کیا خوبیاں بیان کروں، ایک دریائے معانی ہے جو مرجح ہے اور ایک فکر غواض ہے جو بحر نبوت میں بصد خلوص غوطہ زن ہے اور کمالات نبوت کے گوہر آبدار کو زینت تاج سرینا کر اس بحر ذخار سے سر نہکالتی ہے اور پھر دوسرے درآبدار کی تلاش میں غوطہ زن ہوتی ہے اور پھر ایک صدف معانی کی تلاش میں کامیاب ہو کر ہشاش بشاش ابھرتی ہے اور کمال نبوت کے درجے مثال کو پیش کرتی ہے۔ یوں تو ان تمام (۱۰۰) اشعار کا مجموعہ تحیۃ و سلام کا ایک حسین گلدستہ ہے لیکن کمال سخن گوئی ملاحظہ ہو کہ ہر شعر میں سلام پیش کرتے ہیں اور کمال نبوت کا ایک بنیاد پر پیش فرماتے ہیں، میں یہاں صرف چند ایسے اشعار ہی پیش کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں جن میں خامہ رخصتا نے مضمون آفرینی کی ہے اور انکے علمی کمال کی جھلک بھی موجود ہے۔

فرماتے ہیں

سرو نازِ قدیم، معزز رازِ حکم یکے تازِ فہنیت پہ لاکھوں سلام

نقطہ سر وحدت پہ نیکتا درود مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعت شمس و شوق القمر نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

جس کے زیرِ لواءِ آدم و من سوا، اُس سزاے سیادت پہ لاکھوں سلام

اصل ہر یود و بہبود و تحم و جود، قاسم کنزِ نعمت پہ لاکھوں سلام

بے سہیم و قسیم و عدیل و مثیل جوہر فرد عزت پہ لاکھوں سلام

ماہِ لاہوتِ خلوت پہ لاکھوں درود شاہِ ناسوتِ جلوت پہ لاکھوں سلام

انتہائے دوئی، ابتدائے ییکی، جمع و تفریق کثرت پہ لاکھوں سلام

سبب ہر سبب منتہائے طلب علتِ جملہ علت پہ لاکھوں سلام

مصدرِ مظہریت پہ اظہر درود مظہرِ مصدریت پہ لاکھوں سلام

مندرجہ بالا اشعار میں خامہ رخصتا نے صرف چند اوصاف نبوت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر کئے ہیں اب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپائے اقدس کی تخصیص کے ساتھ چند اشعار درود پر ملاحظہ ہو۔
سابق اصلِ قدیم، شاخِ نخلِ کرم، شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام

کعبہ دین و ایمان کے دونوں ستون ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام

جس کے ہر خط میں ہے موجِ نورِ کرم اس کعبہ بحرِ بہتت پہ لاکھوں سلام

نور کے چٹے لہرائیں، دریا بہیں، انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

یہ سلام محبت بہین نہیں ہوتا بلکہ اس سلام میں ذالہ و آدراجہ و ذریاتہ کو بھی شامل کیا گیا ہے اور وہی انداز فکر ہے جو بارگاہ رسالت میں حقیت و سلام کے اندر موجود ہے لیکن فرق مراتب ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔

علم بیان کا رنگ ملاحظہ کیجئے کہ قدر لطیف اور پاکیزہ استعارے ہیں۔
فرماتے ہیں:-

پارہ ہائے صُحف، غنچہ ہائے قدس اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور اس طرح سلام پیش فرماتے ہیں:-

سایہ مصطفیٰ، مایہ اصطفیٰ عز و نازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل اخلق بعد الرسل ثانی الشیخین ہجرت پہ لاکھوں سلام

حضرت رضا قدس سرہ نے اسی عنوان کے تحت ایک سلسل درود اور نظم فرمایا ہے اور مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام میں جو تخصیص روا رکھی ہے اور جن امور کا التزام کیا ہے اسی انداز میں "لاکھوں سلام" کی بجائے "کروروں درود" پیش فرماتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس سلام میں ایک اور ندرت سے کام لیا ہے جو اور کسی شاعر کے یہاں آپ کی نظر سے نہ گزری ہوگی یعنی ہر شعر کا مصرعہ اول ذوق فیتین ہے یعنی مصرعہ اول کا رکن اول اور رکن ثانی ہم قافیہ ہے، اس طرح کے ذوق فیتین مصرعہ اکثر شعرائے کلام میں موجود ہیں لیکن حضرت رفقائے ایک عجیب و غریب التزام رکھا ہے اور اسی التزام کو میں نے ندرت سے تعبیر کیا ہے اور وہ التزام یہ ہے کہ یہ ذوق فیتین

مصرعہ ہائے اول بہ التزام حروف تہجی ہیں، اس منزل کا طے کرنا آسان نہیں اور وہ بھی نعت پاک میں اور اس پر متضاد یہ کہ تبلیغ اور لطیف انداز میں:-
فرماتے ہیں:-

لائیں قویہ دوسرا، دوسرا جس کو مہلا کو شکب عرش و دنی تم پہ کروروں درود ۱
میں صنعت لفظی یا تجنیس کامل کے بارے میں یہاں کچھ عرض نہیں کروں گا، اس کے لئے میں نے ایک مستقل عنوان رکھا ہے جو آئندہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔
فرماتے ہیں:-

طور پہ جو شمع تھکا، چاند تھکا ساعیر کا تیر فراں ہوا، تم پہ کروروں درود ۱

غایت و علت سبب بہر جہاں تم سبب تم سے بنا، تم سے بنا، تم پہ کروروں درود ۱

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا نبات اصل سے پہل بندھا، تم پہ کروروں درود ۱

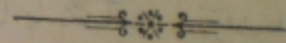
تم سے کھلا باب جو تم سے سب کا وجود تم سے سب کی بقا، تم پہ کروروں درود ۱

کہنے کو میں عام خاص ایک نہیں ہوں خاص بند سے کرد رہا، تم پہ کروروں درود ۱

گیسو و قد لام الف، گرد و بلا منفوت لا کے تہ تیغ لا، تم پہ کروروں درود ۱

تم نے برنگِ فلق جیبِ جہاں کر کے شوق
نورِ کائیک کا کیا تم پہ کرو روں درودِ قی

ان اشعار میں محاسنِ کلام پر نظر ڈالئے نہ تلازمِ الفاظ پر تحسین کیجئے بلکہ مضمونِ آفرین اور نعتِ فکرِ ملاحظہ کیجئے اور پھر ان اشعار میں شاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کا انداز اور نعتِ نبوت کے بیان و اظہار کے لئے مختلف پیرایہ ہائے ادا قابلِ داد و لائقِ تحسین ہیں یہ حضرت رضا قدس سرہ کی شاعری کا وصفِ خاص ہے۔



حضرت رضا کی زبان اور اسکی لطافتِ پاکیزگی

شاعر جس طرح اپنے جذبات کا ترجمان ہوتا ہے اسی طرح زبان کے معاملے میں وہ اپنے عصر کی پیداوار اور اپنے ماحول کی ترجمانی کرتا ہے وہ اپنے زمانے اور اپنے ماحول کی زبان سے جو کچھ ورثہ میں پاتا ہے اس کو بڑے خلوص کے ساتھ پیش کر دیتا ہے یہ اور بات ہے کہ بعض باغِ نگاہیں اپنے عصر سے بھی آگے دیکھ لیتی ہیں۔ اور ان کی طبع رسا انکو ایسے راستے پر ڈال دیتی ہے جو ان کے بعد آنے والوں کے لئے رہنمائی کا کام انجام دیتی ہے، اس سلسلہ میں اردو نثر کی تاریخ میں ہم مرزا غالب کو فراموش نہیں کر سکتے کہ ان کو اپنے ورثہ یا ماحول سے جو زبان ملی تھی اُس کو مرزا نے ایسے رستے پر ڈال دیا تھا جو ان کے بعد آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوئی۔

غالب کا عہدِ کمال انیسویں صدی کا نصفِ اول ہے اس کے بعد کے پندرہ سولہ سال تو انکے صنعتِ بدنی اور عواطفِ جسمانی میں گزرے۔ انیسویں صدی کے اس نصفِ اول میں اردو انشا پر دوازی نے وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا اور اس میں وہ صفائی اور نکھار پیدا نہیں ہوا تھا کہ اس سے اردو مراسلہ نگاری میں کوئی ایسا راستہ نکالا جائے جو مراسلوں کو مکالمہ سے بدل دے، اس وقت تک اردو نثر نگاری پر فارسی نثر اور اس کے اسالیب کے قہرِ شہِ خوں چڑھے ہوئے تھے مزید برآں اردو میں مراسلہ نگاری کو منافیِ شان اور علمی افلاس سمجھا جاتا تھا اس لئے کہ اس دور کے شرفاء، علمائین اور روداروں کا دستور تھا کہ وہ مراسلہ نگاری فارسی میں کریں وہ اسی کو شایانِ علم سمجھتے تھے۔

ریختہ کا آغاز بہت پہلے دکن میں ہو چکا تھا اسکے بعد شمالی ہند میں اس نے بڑی آن بان پیدا

کر لی تھی، ولی دکنی، مرزا جاجاناں، میر تقی میر، میر درد اور سودا کے بعد غالب، مومن، شیفتہ اور ذوق جیسے مشاہیر ریختہ گو شعر سرگرم سخن تھے۔ اردو شاعری میں انھوں نے ایک لکھا پیداکر دیا تھا۔ زبان کی صفائی، صحت اور روزمرہ کا ان حضرات کو ہر وقت خیال رہتا تھا لیکن بانیہ اردو نشر کا یہ حال تھا کہ غالب نے اپنے دیوان ریختہ کا دیباچہ فارسی میں لکھا تھا تاکہ ان کے ادبی کمال پر کسی کو حرف گیری کا موقع نہ ملے۔

شیفتہ کا تذکرہ شعرائے اردو ”گلشن بیخار“ فارسی زبان میں ہے حالانکہ شیفتہ ریختہ بہت خوب کہتے تھے، پس اس کا سبب اس کے سوا کچھ اور نہ تھا کہ وہ اپنے ماحول اور اپنے عہد کے سچے ترجمان تھے وہ اس سے بغاوت نہیں کر سکتے تھے۔

غالب نے جس اردو مراسلہ نگاری کی بنیاد ڈالی تھی وہ بہت جلد مقبول ہو گئی اور فارسی زبان کے بجائے اردو میں مراسلت ادبیوں اور شریفوں کا شعار بن گئی اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد اردو زبان تصنیف کی زبان بن گئی اور اکثر موضوعات پر اردو میں قلم اٹھایا جانے لگا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ غالب سے پہلے اردو نثر کی تصانیف موجود نہیں تھیں، میرامن باغ و بہار لکھ کر فورٹ ولیم کالج کے اردو سر انشا پرداز غالب سے پہلے اردو نثر نگاری کی بنیاد رکھ چکے تھے البتہ اردو مراسلہ نگاری میں غالب کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ بہت سی فارسی کتب کے ترجمے اردو میں کئے گئے، سرسید احمد خاں نے متعدد کتب اور بہت سے مضامین اردو میں تحریر کئے جن میں آثار الصنادید، اسباب بغاوت ہند اور ان کے وہ مضامین ہیں جو رسالہ تہذیب الاخلاق میں شائع ہوئے، مولوی مشتاق علی، مولوی چراغ علی، محسن الملک نے جو سرسید کے رفقا میں شمار ہوتے ہیں بہت کچھ لکھا اور خوب لکھا، ان کے بعد اردو کے عناصر خمسہ یعنی مولوی نذیر احمد، مولوی ذکا اللہ، محمد حسین آزاد، حالی اور شبلی نے اردو نثر کو اس بلندی تک پہنچا دیا کہ آج تک

ان کی تصانیف ہمارے لئے باعث فخر و مباہا ہی نہیں بلکہ سرمایہ تقلید ہیں۔

نذیر احمد کی تصانیف میں توبہ النصوح، فسانہ مبتلا، ابن الوقت، ہبات النعش اور مرآۃ العروس کی تعارف کی محتاج نہیں، آزاد کی سخن دان فارس، نیرنگ خیال اور آب حیات عصر جدید و عصر حاضر کے انشا پردازوں اور ادیبوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ حالی کی حیات جاوید اور مقدمہ شعر و شاعری کو ان کی تصانیف میں ایک بلند مقام حاصل ہے اور شبلی کا نام تو ان کی سیرۃ النبی اللہ علیہ السلام کی بدولت ابدی زندگی پا چکا ہے، ان کی تصانیف میں موازنہ انیس و دو ہجری، شعرا المع، الفاروق اور المامون کو بھی بھلایا نہیں جاسکتا،

ان تمام شاہکاروں کی تخلیق انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہوئی۔ میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا کچھ تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ انیسویں صدی کا نصف آخر جس طرح انشا پردازوں کا ایک قابل قدر دور تھا اور ہم جس کو دور متاخون سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں اسی طرح یہ دور اردو شاعر کا بھی ایک عظیم اور دقیق دور ہے، بہت سے نامور شعرا اس دور میں پیدا ہوئے زبان اور ادب کی خدمت انشا پردازوں کی طرح اپنی شاعری کے ذریعہ بجالائے بعض ادیبوں کی شخصیتیں تو بیک وقت ایک اعلیٰ انشا پرداز اور ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے تسلیم کی جا چکی ہیں۔ حالی اور شبلی جس طرح بحیثیت ایک نثر نگار زندہ جاوید ہیں اسی طرح بحیثیت شاعر بھی ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، البتہ بہت سے شعراء اردو نثر کی طرف توجہ نہ کر سکے یا انہوں نے اردو نثر میں کوئی گراں قدر یادگار نہیں چھوڑی اور بعض کے اثرات نظم و نثر دونوں پر یکساں مثر تب ہوئے۔

ادیبوں کی طرح علما، کاگردہ بھی اردو زبان کی ترویج و ترقی میں بچھے نہیں رہا، انھوں نے عام ادیبوں کی طرح ناول، افسانہ، داستان یا تنقید کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ انھوں نے مذہبی موضوعات پر قلم اٹھایا، تفسیر، فقہ و حدیث کے مقدس موضوعات پر لکھا اور خوب خوب لکھا، آج اگر ہم ان حضرات کی ادبی

یاندہی تصانیف کا مطالعہ کریں تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس نثر کا تعلق کس دور سے ہے یعنی زبان کے اسلوب بیان سے ہم اس کے عہد کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ نثر نگار کی زبان اور اس کے ادب پر اس کے عصر اور عہد کے ایسے ٹپے لگے ہوتے ہیں کہ وہ ان سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ یہی حال شاعر کا ہے۔ آج شعری تنقید میں ہماری نظر سب سے اول شاعر کے عہد کی طرف جاتی ہے اور اس کے کلام سے ہم اس کے دور کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

بہر حال یہ مسلم ہے کہ نثر نگار اور شاعر اپنے عہد کی پیداوار اور اپنے عصر کی زبان کا ایک بچا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ شاعر اپنے ماحول میں رچی بسی شاعرانہ خصوصیات کو اپنا نامزدوری سمجھتا ہے ورنہ اس کی شاعری قبول عام کی سند سے محروم رہے گی دبستان لکھنؤ کی خصوصیات الگ اور دبستان دہلی کی الگ ہیں دہلی کے شاعروں نے اپنے دبستان کی خصوصیات کو اپنا یا اور شعرائے لکھنؤ نے اپنے دبستان کے خصائص کی ترجمانی کی۔ ایک عرصہ تک لکھنؤ میں رعایت لفظی کی پابندی کا طوفان برپا رہا، نتیجہ یہ نکلا کہ ناسخ اپنے اس مطلع سے زیادہ صاف ستھرا اور بلند مطلع نہ کہہ سکے :-

میرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجر اس کا

طلوعِ صبحِ محشر چاک ہے میرے گریباں کا

حالانکہ ناسخ کے بارے میں یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ مصلح زبان تھے، اسی طرح آتش نے

شانہ محبوب کی رعایت سے یہاں تک کہہ دیا ہے

اُگتی ہے جائے سبزہ کنگھی میرے چین میں

اس کے علاوہ رعایت لفظی میں یہاں تک پہنچ گئے۔

صحرا کو بھی نہ پایا بغض و حسد سے خالی،

ساکھو غلا ہے کیا کیا پھولا جو ڈھاک بن میں

اسی زمین میں پہلوانِ سخن جناب ناسخ نے فرمایا :-

پہروں رہی لڑائی شہیر اور گردن میں

اس رعایت لفظی کا حلیم بدلتوں قائم رہا عصر حاضر میں عزیز مصطفیٰ نے اس حلیم کو توڑا۔ یہ تو لکھنؤ کے دبستان کا حال تھا، دہلی والے داخلیت کے ترجمان بنے رہے، ان کا ماہر الامتیا یہی وصفت تھا اور استاد شاہ جناب دہلی نے اس داخلیت کے ساتھ خارجی پہلو کے لحاظ سے محاوروں کا ایک طومار مرتب کر دیا اور محاوروں کی کھپت جا اور بچا اپنے اشعار میں کرتے رہے، البتہ غالب اور مومن ان بدعتوں سے محفوظ رہے، اس سلسلہ میں مزید کیا عرض کروں ڈرتا ہوں کہ طول کلام قارئین پر بار نہ گزرے ورنہ اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا جاسکتا تھا۔

انیسویں صدی کے راج آئیں اُردو شاعری کا آفتاب نصف النہار تک جا پہنچا تھا اور اُردو شاعری ایک وضع شریفانہ کے سانچے میں ڈھل گئی تھی، برصغیر ہندوپاک کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں شعرا کی سرپرستی کو وجہ نازش و افتخار سمجھتی تھیں، غالب ریاست رامپور کے وظیفہ خوار تھے، داغ اور عقیل کو ریاست دکن میں جو فروغ حاصل ہوا تھا اور جو فارغ بانی اُن کے حلقے میں آئی وہ بمشکل ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوئی، ان قدر دانیوں نے شاعری کے بازار کو اور چمکایا، جب شیر شکوہ آبادی اپنے افلاس کے ہاتھوں اس طرح شکوہ سنج ہوئے تھے

میرے ہنر کا کوئی نہیں متدرداں منسیر

شرمندہ ہوں میں اپنے کمالوں کے سامنے

تو جناب ناظم والی ریاست رامپور نے جواباً کہا ہے

ناظم منیر آئے یہاں ہم ہیں متدرداں

شرمندہ کیوں ہے اپنے کمالوں کے سامنے

بہر حال ان قدر دانیوں نے اور امراء و عمائدین کے مذاق شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ ہندوؤں کو بھی اردو شاعری کا گرویدہ بنا دیا۔ یہ درست ہے کہ مسلمان شعرا نے قن من دمن سب کچھ اس کے نذر کر دیا اور ہندو صرف لطف طبع کے تقاضے پورے کرنے کے لئے ادھر متوجہ ہوئے ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں شاعری کا آفتاب اپنی پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ حضرت داغ دہلوی، امیر بینائی، تسلیم، حالی اور اکبر کی شاعری کی ہر طرت دھوم مچی تھی خصوصاً داغ دہلوی کے اشعار تو پچھے پچھے کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے، داغ دہلوی استاد ذوق کے شاگرد تھے اور قلندر تھے اُن کا تعلق تھا، اُن کی زبان قلعہ کی زبان بھی جاتی تھی اور قلعہ معلیٰ کی زبان اردو کے لئے سند تھی۔

داغ کی زبان کی صفائی، جڑیگی اور کلام کی شوخی نے بہت جلد ان کو قبولِ عام کی سند عطا کر دی برصغیر ہندوپاک میں داغ سے زیادہ کسی کو شاگرد میر نہ آئے، داغ کی شہرت نے ان کے رنگ کو نکالی رنگ بنا دیا۔ بڑے بڑے نقاد شاعروں کو یہ رنگ قبولِ عام کی آرزو میں اپنا ناچرا امیر بینائی اور امیر لکھنوی جیسے بزرگوں نے داغ کے رنگ کی تقلید کی۔ اس لئے کہ اس وقت ہی نکسالی رنگ تھا ہاں حالی اور اکبر نے اس رنگ کو نہیں اپنایا، انھوں نے اپنے لئے الگ الگ راستے متعین کئے البتہ زبان کی سلاست اور بیان کی فصاحت ان کے پیش نظر رہی لیکن ان کو اُس عمر میں داغ جیسی شہرت حاصل نہ ہو سکی لیکن آج اس کے بالکل برعکس ہے۔

داغ دہلوی کا رنگ بہت جلد مقبولِ عام ہو گیا، عوام و خواص صرف اس کلام ہی کو پسند کرتے تھے جس میں زبان کا چمٹارا اور سادگی ہوتی تھی، خیالات کی بلندی، طرزِ ادا کی طرفگی اور مضامینِ آفرینی جسے داغ سے پہلے مومن اور غالب نے روشناس کرایا تھا، اس کا رنگ داغ کی سادگی اور پُرکاری کے سامنے دب گیا۔ زبان کے اس رنگ کو سمجھنے کے لئے میں داغ اور ان کے معاصرین کا

کلام بطور نمونہ پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ کو یہ اندازہ ہو سکے کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں زبان کن خصوصیات سے مالا مال تھی اور کس رنگ کو قبولِ عام حاصل تھا۔ سب سے پہلے میں حالی کے اشعار پیش کر رہا ہوں کہ حالی اردو ادب اور اردو شاعری میں ایک طرزِ جدید کے بانی سمجھے جاتے ہیں، انھوں نے واقعی اردو شاعری کو لطافتِ خیال اور پاکیزگیِ بیان کے جوہر عطا کئے فرماتے ہیں:-

تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشا کی ہے جو یہ شوق خود آرائی کا

کچھ میری یہ بخودی میں تمہارا زیا نہیں تم جاننا کہ بزم میں اک خستہ جاتی نہیں
ملنے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہیں

دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائیگا
تم کو ہزار شرم بھی مجھ کو لا کھ ضبط، الفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائیگا

قلق اور دل کا سوا ہو گیا دلا سا تمہارا بلا ہو گیا
وہ اُمید کیا جس کی ہوا انتہا وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
نہیں بھولتا اسکی خصیت کا وقت وہ رو رو کے ملنا بلا ہو گیا

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ لطافتِ خیال اور پاکیزگیِ بیان کی سخت کاوشوں کے باوجود معاملہ بلندی

سے مفر نہیں! ہاں زبان کی سادگی ضرور قابلِ داد ہے، اب حالی کے مقابل میں داغ کی زبان ملاحظہ فرمائیے۔

بتان ماہِ دُشِ اُجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں
خدا رکھے محبت نے کئے آباد گھر دونوں، میں اُن کے دل میں رہتا ہوں وہ میرے دل میں رہتے ہیں
کوئی نام و نشان پوچھے تو لے قاصد بتا دینا تخلصِ داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

پیامی کامیاب آئے نہ آئے خدا جانے جواب آئے نہ آئے
تم آؤ جب سوار تو سرِ ناز قیامت ہر کام آئے نہ آئے

ستم ہی کرنا، جفا ہی کرنا، نگاہِ الفت کبھی نہ کرنا،
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا
لئے تو چلتے ہیں حضرت دل تمہیں بھی اُسِ نغمہ میں لیکن
ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تم ہمیں سے پہلو تہی نہ کرنا،

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا تمام رات قیامت کا انتظار کیا
کسی طرز نہ جو اس بت نے اعتبار کیا مری وفانے مجھے خوب شرمسار کیا
تجھے تو وعدہ دیدار ہم سے کرنا تھا یہ کیا کیا کہ جہاں کو امیدوار کیا
ہم ایسے محوِ نظارہ نہ تھے جو ہوشِ آتا مگر تمہارے تغافل نے ہوشیار کیا

ہم تری بزم سے اسے یار چلے جاتے ہیں لے چلے جاتے ہیں ناچار چلے جاتے ہیں
گرچہ سو سو ہیں تغافل کہ نہ جانے کوئی اُن نگاہوں کے مگر وار چلے جاتے ہیں
اس طرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کا ہاتھ کہ بندھے جسے گنہگار چلے جاتے ہیں

تا پِ نظارہ کسے دیکھے جو اُن کے جلوے بجلیاں کو ندنی ہیں جب سرِ بام آتے ہیں
رہِ رورہِ محبت کا خدا حافظ ہے، اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

کلامِ داغ سے یہ نکھرے سترے اور پاکیزہ اشعار میں نے پیش کئے ہیں اور اُن غزلوں پر نگاہ نہیں ڈالی ہے جن میں شوقی اور بانگین موجود ہے، اب حالی اور داغ کے بعد میر بینائی اور اسیر لکھنوی کا رنگ ملاحظہ کیجئے کہ زبان کی سلاست اور سادگی کو انھوں نے بھی اپنا شیوہ بنایا ہے ترکیب سے بچنے کی کوشش کی ہے شکوہ الفاظ سے کام نہیں لیتے، سیدھے سادے خیالات سادہ زبان میں ادا کرتے ہیں۔

اسیر لکھنوی

روشنِ گلشنِ جو وہ رندِ شرابی ہو گیا بھول سا غریب گیا غمِ گلجانی ہو گیا

نہیں بیمارِ جواے رشکِ مسخار دیکھی آج کیا آپ نے جانی ہوئی دنیا دیکھی
خندہ لگی ہے کہیں، نازِ بلبلی ہے کہیں سیر اس گلشنِ ایجاد میں کیا کیا دیکھی

خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہِ ناز ہے دنیا ہزاروں اُٹھ گئے رونقِ دی باقی ہے محفل کی

چلی ہزار ہوا، لاکھ آندھیاں آئیں تری گلی سے مری خاکِ ناتوان نہ اٹھی

جناوہ سکتے ہیں اتنا کوئی نہیں کہتا کہ خونِ عاشق شیدا حضور ہوتا ہے

رونے سے مرے اُس گلِ خوبی کو خبر ہے صد شکر کہ اشکوں میں ابھی رنگ اثر ہے

منشی امیر احمد مینائی فرماتے ہیں:-

عزیز کیوں نہ ہو داغِ اسکی بیوفائی کا کہ ہے جملہ ہی مدت کی آشنائی کا
مرے نصیب یہ کہتے ہیں میرے نالوں کے رہے خیال ہماری بھی نارسانی کا
شبِ وصال بہت کم ہے آسمان کے پورے کہ جوڑے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

انصاف جو یارِ خدا سے طلب کیا تم نے بھی اسے امیرِ بڑا ہی غضب کیا

بات رکھ لی مرے قاتل نے گنہگاروں میں اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوچا کچھ دگر نہ ربط کی اس سے ہزار راہیں تھیں

فلک کے دورے دنیا بدل گئی دُش جہاں بنے ہیں یہ خاں خاںِ خالق ہیں تھیں

گھبرا کے جب فراق میں مانگی دھلے وصل آئی صدا ہی تو مقامِ امتحان کے ہیں
وہ اور وعدہ وصل کا قاصد نہیں تھا کج حکایتا یہ لفظ انہی کی زبان کے ہیں

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری، کاٹوں میں بھی ہوگی خوشبو تمہاری،
اس دل پہ ہزار جانِ صدقے، جس دل میں ہے آرزو تمہاری

تیغِ قاتل پہ ادا لوٹ گئی رقصِ بسل پہ قضا لوٹ گئی
اس روش سے وہ چپے گلشن میں بجھ گئے بھول حیا لوٹ گئی

سوئے گلشنِ حویرا آتا ہے گھر کے ابر بہار آتا ہے
تم کو آتا ہے پیار پر غصہ مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے

اب حضرت اکبر آلہ آبادی کا رنگِ تغزل ملاحظہ کیجئے، جن کی ظریفانہ اندازِ شاعری کی آج بھی صوم
ہے اور جن کے اصحاحانہ اور ظریفانہ رنگ کو لا جواب مانا جاتا ہے۔
فرماتے ہیں:-

اللہ بچائے مریضِ عشق سے دل کو، سُنئے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جائیں بدم وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چھپا نہیں ہوتا

یاد ہے ان کی بہت عزت پسند آہ بھی دل سے نکالی جائے گی،
بے تکلف چاہئے سوز و گداز، شمع کیوں ساچے میں ڈھالی جاگی،

اک جھلک دیکھ لی تھی ان کی کبھی وہ اتر دل سے آج تک نہ گیا

کم بخت دل کو کیوں لگاؤ نہیں کیتھا اُن کو تو شوق ناز و آدا سب کے ساتھ ہے

غیر کے ذکر میں کرتے نہیں وہ میرا لحاظ تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں

بزم عشرت کوئی بہتی ہے تو رو دیتا ہوں

کوئی گزری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

اگر اس دور کے بعض اور مشاہیر شعراء کے کلام کے نمونے پیش کروں تو ڈر ہے کہ وہ قارئین کی طبائع پر بار بن جائیں گے کہ نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں زبان کے اسالیب کا بیان اور اس قدر طویل! مجھے ان نمونوں کو پیش کر کے صرف یہ بتانا تھا کہ انیسویں صدی کے آواخر میں جبکہ جناب رفقا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری فردوس گوش کے سامان فراہم کر رہی تھی اس وقت شاعری کے لئے زبان کے کس اسلوب اور کس انداز کو پسند کیا جاتا تھا، آپ نے مندرجہ بالا اشعار میں جو مختلف شعراء کے ہیں یہ بات بطور قدر مشترک پائی ہوگی کہ صحبت زبان کے ساتھ ساتھ سلاست اور سادگی اس دور کی شاعری کا وصف خاص ہے، کہیں کہیں محاورے بھی نظم ہو جاتے ہیں لیکن اس صورت میں بھی سلاست پر حرف نہیں آتا۔ آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ انیسویں صدی کے ربع آخر میں سادگی زبان و بیان کو کیا اہمیت حاصل تھی اور اُس دور کے مشہور شعراء زبان کی سلاست، پاکیزگی اور صفائی کا کس قدر خیال رکھتے تھے۔

حضرت رفقا قدس سرہ کی زبان کے سلسلہ میں ان کے معاصرین کی شاعری سے میں نے پچھلے اوراق میں بطور نمونہ کچھ شعر پیش کئے تھے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ حضرت رفقا اپنے معاصرین کا زبانانی میں کہاں تک ساتھ دیکھتے ہیں اور ان کی زبان کی شستگی اور سلاست ان کے معاصرین کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے لیکن میں نے حضرت رفقا قدس سرہ جیسے باکمال نعت گو کی سلاست زبان اور اس کی شستگی کے لئے ان کے معاصرین کی عشقیہ شاعری کو پیش کیا ہے جیسا کہ گئی جگہ عرض کر چکا ہوں عشقیہ شاعری میں زبان و بیان کے لئے نہ حدود معین ہیں اور اسکے آداب قسٹر ہیں آپ جس مضمون کو چاہیں زبان کی چٹنی بیان کی ندرت اور انداز بیان کے تیکھے پن کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں لیکن نعت میں شاعر کو بڑی ہوشیاری اور حدود آداب کے اندر رہتے ہوئے قدم اٹھانا پڑتا ہے نہ یہاں بے راہ روی کی گنجائش ہے اور نہ بیباکی کی۔

جب زبان اور بیان پر قیود عاید ہو جائیں حقیقتاً شاعری زبانانی اور کمال کا تو اس وقت کچھ انداز کیا جاسکتا ہے ورنہ خیال کے گھوٹے دھڑانے کی جہاں عام اجازت ہو اور کسی کے عنان گیر ہونے کا ڈر نہ ہو اس وقت طبع کی جولانیاں جو کچھ رنگ نہ لائیں وہ تھوڑا ہے، نعت شریف کا میدان ایسا میدان نہیں وہ بہت مقدس، پاکیزہ، بلند اور حقیقتوں کی رنگ آمیزیوں سے معمور، شرعی قیود کی آئینہ بندلیوں سے گھرا ہوا دقیق اور ارفع اعلیٰ میدان ہے جہاں

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیت

ایسی تنگنائے بیان میں زبان کے جوہر اور زبانانی کے خصوصیات پیش کرنا واقعی

کہاں زبانِ انسانی کی دلیل ہے۔ اب حضرت رمضانؑ کے معاصرین کی شاعری سے ان کی نعت کے نمونے پیش کرتا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ عشقیہ شاعری میں ان کی زبان کا جو رنگ، جو صفائی اور نکھار تھا کیا اس مقدس موضوع کے پہلوؤں کو پیش کرنے میں بھی باقی رہا!

میں سب سے پہلے امیرِ تینالی کی نعتیہ شاعری کا نمونہ پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں وہ کہاں تک اپنی سلا زبان کی خصوصیات کو برقرار رکھ سکے ہیں۔

فرماتے ہیں سہ

جب مدینے کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں	حسرت آتی ہے یہ پہنچائیں رہا جاتا ہوں
دو قدم بھی نہیں چلنے کی برطاعت مجھ میں	شوق کھینچے لئے جاتا ہوں میں کیا جاتا ہوں
قافلے والے چلے جاتے ہیں آگے آگے	مدد اے شوق! کہہ چھپے میں رہا جاتا ہوں
کاروانِ رہِ یثرب میں ہوں آوازِ دراز	سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں
اسلئے تانے ملے روکنے والوں کو پست	محو کرتا ہوا نقشِ کعبہ پا جاتا ہوں

میں یہاں موازنہ کلام کی طرف توجہ نہیں چاہتا بلکہ میں نہم قاری کے سپرد یہ فیصلہ کروں گا کہ زبان کی لطافت و سلاست نعت شریف میں کس منزل سے کس منزل پر آگئی ہو۔ لیجئے اب جناب اکبر الہ آبادی کی زبان میں نعت ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں۔

یہ جلوہ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ان کے ہیں شیدائے شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی وہ محفلِ دین پر نور ہوئی
یہ نورِ ہدایت سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہو پر تو کرسی و عرش اس کی بلندی حاصل
جس سینے میں قرآن اتر اہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دُنیا گونج اُٹھی تکیہ کا غل تاعرش گیا
ثاثرِ عبادت صلّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

اب مولانا حاتمی کی شاعری سے نعتیہ کلام کا نمونہ پیش کرتا ہوں۔ میں یہاں مسدس حاتمی سے قصداً اقتباس پیش نہیں کر رہا ہوں اور اس کی دو وجہیں میری نظر میں ہیں ایک تو ساخت کے اعتبار کو آپ کو معلوم ہو کہ ”مَدَّوْجِزِ رِاسْلَام“ یعنی مسدس حاتمی، مسدس ہے پس مقابلے میں مسدس کے بند پیش کرنا کچھ مناسب نہیں دوسرے مسدس کا موضوع تاریخِ عروج و زوال امت ہے، صرف اس کا ابتدائیہ نعت پر مشتمل ہے اس لئے میں نے حاتمی کے کلام سے نعتیہ غزل ہی انتخاب کی ہے تاکہ موضوع اور ساخت کا فرق باقی نہ رہے۔ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:-

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے
سخنِ زباں کے لئے اور زباں دہاں کے لئے

وہ شاہ جس کا مدد جیتے جی جہنم میں
 عداوت اس کی عذاب الیم جاں کے لئے
 وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغبان مشکور
 رہی نہ آمدورفت چمن، خزاں کے لئے
 نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
 حقیقت شب معراج کے بیاں کے لئے
 گھر اس کا مورد قرآن و مہیط جبریل
 در اس کا کعبہ مقصود انس و جاں کے لئے
 حریفِ نعتِ پیر نہیں سخنِ حاکم
 کہاں سے لائے اعجاز اس بیاں کے لئے

حضرت رقتا کے مشہور زمانہ ان معاصرین میں حضرت داغ کا نعتیہ کلام میں کہاں
 سے پیش کر دوں کہ وہ اس کو چپے کے تہ نہ تھے۔ اگرچہ پیش کردہ غزلوں سے حضرت
 اکبر الہ آبادی، مولانا حاتی اور امیر بینائی کی نعتیہ شاعری کا جائزہ مکمل نہیں ہوتا لیکن
 یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ نعت گوئی میں ان کی زبان و بیان، شستگی اور سلاست
 کا کیا انداز ہے۔ اب ذرا حضرت رقتا کے نعتیہ کلام میں زبان کا رنگ ملاحظہ ہو آپ خود کسی نتیجہ
 پہنچ جائیں گے۔

حضرت رقتا قدس سرہ نے بھی اس سلسلہ میں اپنے ماحول کی بھرپور ترجمانی کی ہے، ہر چند
 کہ نعت شریف جیسے مشکل و ارفع موضوع کے تحت سادگی زبان کا برقرار رکھنا بہت مشکل ہے
 اس لئے کہ نعت شریف رفعت مضمون اور شکوہ الفاظ کی طالب ہے اور سادگی زبان، رفعت
 مضمون اور شکوہ الفاظ کا ساتھ نہیں دے سکتی لیکن خامہ رقتا کا کمال ملاحظہ ہو کہ انھوں نے
 نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں زبان کے تقاضوں کو بھی پورا کیا اور رفعت مضمون
 پاکیزگی تخیل اور مضمون آفرینی کو ہر قسم کے لوٹ سے محفوظ رکھا۔

جناب رقتا قدس سرہ نے جب نعتیہ شاعری کا آغاز کیا تو ہر طرف عشقیہ شاعری کا شور مچا
 تھا اور تغزل کا طغیان ہر سمت گونج رہا تھا، ادبی مجالس اور محفلوں میں کانوں میں تغزل کے
 نعمات ہی پہنچتے تھے، مومن ایک نعتیہ قصیدے سے آگے نہ بڑھ سکے جس کا مطلع ہے یہ

زبان لال کہاں اور مدح تاج خروس

گرا ہے خاک پہ کیل لعلِ افسر کاؤس

غالب فارسی زبان میں یہ کھکر خاموش ہو گئے یہ

غالب شنائے خواجہ بہزداں گدا شمیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

البتہ امیر بینائی، حضرت شہیدی جناب محسن کا کوڑی نے نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے
 مقدس نعمات اس تغزل سے رچی بسی فضا میں بلند کئے اور انعامات اخروی سے اپنے دامن
 کو مالا مال کیا۔ حضرت رقتا بریلوی نے جن کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دہانہ محبت اور
 عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات سے سرشار رہا اور جنگی زبان و بیان اور فکر و قوت
 شانِ محبوبی کے ایسے مقام کی تلاش میں رہی جو بلند سے بلند تر ہو اور نور مجسم، سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے کمالات نبوی کے کسی گوشہ سے بردہ اٹھا سکے جو تیرہ بختوں، نام کے مسلمانوں نے اس ذات والا صفات کے خصائص نبوت پر ڈال رکھے ہیں، حضرت رقتا بریلوی نے ان پاکیزہ نعمات نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بلند آگے سے چھیڑا کہ تمام برصغیر گونج اٹھا۔

ہاں تو میں حضرت رقتا قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کی زبان کے بارے میں عرض کر رہا تھا کہ جناب موصوف کو زبان کی یہ صفائی سحرانی اور سادگی کسی استاذ کی رہنمائی کی بدولت میسر نہیں آئی بلکہ حضرت کے تجرعلی نے خود فن شاعری، لوازم شاعری فصاحت و بلاغت، معانی و بیان اور طرز ادا کے تمام محاسن کے راز ان پر کھول دئے تھے اور جب انھوں نے اس فن کو اپنایا اور نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ و نیک کیفیت نعت چھیڑے تھے تو زبان کی جو عام روش اور عام طرز تھا اسی کی ترجمانی کی اور اسی کو اپنایا۔ آئندہ صفحات میں ایسے اشعار جناب رقتا کے دیوان حدائق بخشش سے پیش کروں گا جو زبان کی سادگی، طرز ادا کی دلکشی اور روزمرہ کی لطافت سے بھرپور ہیں۔

حضرت کے کلام کا بیشتر حصہ اسی سلاست بیان اور لطافت زبان کا آئینہ دار ہے یہ دوسری بات ہے کہ جہاں کمالات نبوت، خصائص نبوت اور مقام نبوت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار فرماتے ہیں تو مضامین کی رفعت، خیال کی بلندی، شکوہ الفاظ، قرآن پاک و حدیث شریف سے موضوع کا استدلال، ایسی منزل پر پہنچ جاتے ہیں جہاں زبان کی سادگی اور سلاست بھر اصل پیچھے رہ جاتی ہے جب یہ بلند اور وقیع مضامین موزونیت کا لباس پاکیزہ پہن کر جلوہ گر ہوتے ہیں تو کلام بلاغت کے منہا پر پہنچ جاتا ہے۔ "حضرت رقتا قدس سرہ کے تحریر کا اثر ان کی شاعری پر" کے تحت عنوان میں نے متعدد ایسے اشعار پیش کئے ہیں جو میرے اس دعوے کی دلیل ہیں، آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ زبان کا چٹخار، بیان کی سلاست، زبان کی روانی، محاوروں کا التزام ان بلند پایہ خصائص کا ساتھ نہیں دے رہا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ جناب رقتا قدس سرہ کو زبان و بیان پر کامل عبور نہیں تھا، ان کے پالکا

علم کے مقابل اردو زبان اور اس کی سلاست کی کیا حیثیت تھی۔ وہ جہاں چاہتے سلاست و فصاحت کے دریا بہا دیتے تھے، جہاں چاہتے تشبیہ و استعارہ سے کام لیتے، جب چاہتے شعر کو ضائع و بانی کے ٹکلیوں سے مرتع فرماتے، زبان اور طرز بیان کے جس سانچے میں چاہتے شعر کو ڈھال دیتے۔

حضرت رقتا قدس سرہ کی فکر رسا جس انداز میں چاہتی نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو فردوس گوش و ہوش بناتی لیکن ہر مضمون اور ہر موضوع اپنی بلند اور اپنی رفعت کے تقاضے کے اعتبار سے الفاظ چاہتا ہے اور جناب رقتا قدس سرہ نے جیسا کہ میں ابھی کہ چکا ہوں نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بحد کہاں اس کا اہتمام رکھا ہے، اُن کو زبان و بیان پر پوری پوری قدرت حاصل تھی، لیکن "بالحمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو شیخ" کے مصداق ان کو اس کا ہر قدم پر اہتمام ملحوظ تھا اور جب زبان کی بیساختگی اور سلاست کو نعت شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیع و وقیع مضمون سے ہم آہنگ نہیں پاتے تھے تو اُس وقت اُن کو قطعاً اس امر میں تکلف نہیں ہوتا تھا کہ شکوہ الفاظ، فارسی تراکیب اور استدلال کے وقت صنعت اقتباس و تلمیح سے کام لیں یا تشبیہ و استعارے کے حسین لباس اس عروس مضمون کو آراستہ کریں۔ ورنہ جہاں جہاں جناب رقتا قدس سرہ نے سلاست زبان و بیان کو ملحوظ رکھا ہے وہاں زبان کی بیساختگی، اور روانی، الفاظ کا درویشی اور بندش کی جستی بتاتی ہے کہ ایک زبان داں اپنی زبان دانی کے جوہر دکھا رہا ہے۔

حضرت رقتا کا مجموعہ کلام "حدائق بخشش" (ہر دو حصہ میرے سامنے ہے اس مجموعہ کی پہلی غزل جس کا عنوان "وصل اول در نعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" ہے سے چند اشعار پیش کر رہا ہوں زبان کا لطف دیکھئے میں نے زبان اور روزمرہ کے سلسلے میں حضرت رقتا قدس سرہ کے معاصرین کے کلام سے بطور مثال بہت سے اشعار پیش کئے ہیں، آپ نے مطالعہ کیا یہ تمام اشعار تغزل پر مبنی ہیں اور تغزل میں زبان کا لطف پیدا کرنا دشوار نہیں کہ غزل میں موضوع کو اعتبار سے نہ کسی احتیاط کی ضرورت ہے اور

کوئی قید شرعی ہے اول تو ان حضرات کے یہاں نعت بہت کم ہے سوائے منشی امیر احمد مینائی مرحوم کے لیکن جب وہ نعت نگاری پر آتے ہیں تو ان کی زبان کا یہ رنگ قائم نہیں رہتا، سادگی رخصت ہوتی ہے خصوصیت زبان کے ساتھ نعت گوئی ایک بڑا سلیقہ بھی چاہتی ہے یہاں انہما حق کے ساتھ ساتھ ہمہ دانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے بحر علمی ہی زبان کے ساتھ نعت کا مضمون پیدا کر سکتا ہے۔

حضرت رضا قدس سرہ کے بحر علمی نے زبان کا لطف برقرار رکھتے ہوئے جو معنی آفرینی کی ہے یالیوں کہے کہ حضرت کی طبع رسائے بلند سے بلند مضمون کو جس طرح زبان کے سانچے میں ڈھالا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے، حضرت کی یہ مکمل غزل ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ زبان کے کیسے کیسے جو ہر دکھائے ہیں اور کیسے کیسے بلند مضامین کو چند الفاظ میں بیان کر دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف آپ ہی حصہ تھا۔
فرماتے ہیں :-

ہائے رے نیند مسافر تیری
دور جانا ہے رہا دن تھوڑا
جان ہلکان ہوئی جاتی ہے
پار جانا ہے نہیں ملتی ناؤ
روشنی کی ہمیں عادت اور گھر
اس کڑی دھوپ کو کیونکر چھیلیں
منہ دکھانے کا نہیں اور گھر
اُن کو رگم آئے تو آئے ورنہ
آخری دید ہے آؤ مل لیں
کوچ تیار ہے کیا ہونا ہے
راہ دشوار ہے کیا ہونا ہے
بارسا بار ہے کیا ہونا ہے
زور پر دھا ہے کیا ہونا ہے
تیرہ و تار ہے کیا ہونا ہے
شعلہ زن نار ہے کیا ہونا ہے
عام دربار ہے کیا ہونا ہے
دہ کڑی مار ہے کیا ہونا ہے
رنج بیکار ہے کیا ہونا ہے

دل ہمیں تم سے لگانا ہی نہ تھا
اب سفر بار ہے کیا ہونا ہے
طوالت کے باعث پوری غزل پیش نہیں کر رہا ہوں، پوری غزل پڑھئے ہر شعر میں ایک نیا کیفیت ہے۔

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھر برا تیرا
ایک میں کیا میرے عصیاں کی حقیقت کیا
مجھ سے سولا لکھ کو کافی ہے اشارا تیرا
تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پر نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوٹے قند تیرا
تو جو چاہے تو ابھی میں مے دے دے دھلیرو
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی منقبت میں فرماتے ہیں :-

الاماں! قبر ہے لے غوث وہ تیکھا تیرا
مر کے بھی چین سے سوتا نہیں مارا تیرا
بادلوں سے کہیں رکتی ہے کو کتنی بجلی
ڈھالیں چھٹ جالی ہیں اٹھتا ہے جوتغا تیرا

زبان کا لطف اور بیباکی ملاحظہ ہو :-

غم ہو گئے بیشمار آقا
بندہ تیرے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا
آقا! آقا! سنوار آقا
مجبور ہیں ہم تو فکر کیا ہے
تم کو تو ہے اختیار آقا
گرداب میں پڑ گئی ہے کشتی
ڈوبا! ڈوبا! اتار آقا

ساکو ادا من کی کا مقام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا
اے رشتا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

اپنی رحمت کی طرف دیکھیں حضور
جانتے ہیں جیسے ہیں بدکار ہم
اپنے مہانوں کا صدقہ ایک ہونہ
مرے پیارے ادھر سرکار ہم
تم نے تو لاکھوں کو جانیں پھر
ایسا کتنا رکھتے ہیں آزار ہم

طرز ادا کا بیان دیکھئے، نعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور انداز بیان سبحان اللہ
نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم حسد،
سوزش غم کو ہم نے بھی کیسی ہوا بتائی کیوں
کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں
زر گس مست ناز نے مجھ سے نظر چسرائی کیوں

ہونہ ہو آج کچھ ہوا، ذکر ہوا حضور میں
ورنہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں
سبحان اللہ سبحان اللہ ذرا اس انداز بیان کو دیکھئے اور دیکھئے کہ کیسی پیاری زبان ہے اور
مضمون کیسا اچھوتا ہے۔

عرض کروں حضور سے دل کی تو میرے خیر ہے
پیشی سر کو آرزو دشتِ حرم سے آئی کیوں،

زبان کی سلاست و سادگی و محاوروں کا حسین امتزاج اور بیباکی ملاحظہ ہو۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں
جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
درباریوں ہی خوار پھرتے ہیں
بائیں رستے نہ جا مسافر بس
مال ہے راہ مار پھرتے ہیں
کوئی کیوں پوچھے تیری بات رشتا
تجھ سے کتنے ہزار پھرتے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھری کو اٹھتے ہو گئے
اب تو غنی کے در پر بستر لگا دئے ہیں
اُنکے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دئے ہیں
اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دئے ہیں

مالِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُنکے خالی ہاتھ میں

ہم بھی چلتے ہیں ذرا قافلے والو ٹھہرو
گھڑیاں تو شہرِ امید کی کس جانے دو
سوکھی جاتی ہے امیدِ غربا کی کھیتی
بوندیاں لکڑی رحمت کی برس جانے دو

کانٹا ہرے جگر سے غم روزگار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خسر نہ ہو
اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن بھینگ جاتا
یوں دل میں آ کہ دیدہ تر کو خبر نہ ہو

اس شعر پر بعض کچھ فہموں نے اعتراض کیا ہے میں اس مقالہ کے آخر میں ان تمام اعتراضات کی بے ماسیج
کے بارے میں عرض کروں گا اور بتاؤں گا کہ یہ گرنہ بیند بروز شہ چو شہم چشمہ آفتاب را چہ گستاہ۔ شمس

زبان کے لطف کے ساتھ ساتھ نعمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شوخی بیان تو ملاحظہ کیجئے، غور فرمائیے کہ اس شوخی بیان میں اہتمام یہ ہے کہ دامنِ ادب ہاتھ سے کہیں نہیں چھوشتا۔ فرماتے ہیں:-

دل کو اُن سے خدا جدا نہ کرے
بیکسی لوٹ لے خدا نہ کرے
دل کہاں لے چلا حرم سے بچے،
ارے تیرا بُرا، خدا نہ کرے
سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا قدرت بیان ہے اور کیسا انداز فکر!

یہ وہی ہیں کہ بخش دیتے ہیں
کون ان جرموں پر سزا نہ کرے
ضعف مانا، مگر یہ ظالمِ دل
ان کے رستے میں تو تھکا نہ کرے

نفس کی بدی کا عنوان قرار دے کر حضرت رقتا نے جو غزل کہی ہے وہ سادگی و پُرکاری اور زبان کے لطف سے مالا مال ہے، چھوٹی بھر ہے جو متاخرین کا خاص امتیازِ بان کا لطف دیکھئے!

اللہ! اللہ کے نبی سے،
فریاد ہے نفس کی بدی سے
شب بھر سونے ہی سے غرض تھی
تاروں نے ہزار دانت پیسے
ایمان پہ موت بہتر اور نفس
تیری ناپاک زندگی سے
تجھ سے جو اٹھائے میں نے صد
ایسے نہ ملے کبھی کسی سے
آئی نہ تھی جب بدی بھی تجھ کو
ہم جانتے ہیں تجھے جب ہی سے

مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ زبان کا لطف دیکھئے، عموماً ندرتِ مضمون کے ساتھ زبان کا لطف مفقود ہو جاتا ہے لیکن حضرت صادق سرورؑ نیا مضمون بھی پیدا کرتے ہیں اور زبان

کا لطف بھی بحال رہتا ہے، ملاحظہ فرمائیے:-

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھیرانے والے
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سرکا موقع ہے اوجانے والے
آبِ آئی شفاعت کی ساعت اب آئی
ذرا چین لے میرے گھبرانے والے
رقتا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چند لانے والے

بھرنہ کروٹ لی مدینے کی طرف
ارے چل چھوٹے بھانے والے
حسن تیرا سنا دیکھنا نہ سنا
کہتے ہیں اگلے زمانے والے
لب سیراب کا صدقہ پانی
اُسے لگی دل کی بھلانے والے
ہو گیا دھک سے کلیجہ میرا
ہائے رخصت کی سنانے والے

عاصیو! اہتمام لودامن اُن کا
وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
ابر رحمت کے سلامی رہنا
پھلتے ہیں پودے لپکنے والے
دیکھ اور خیمِ دل اپنے کو سنبھال
پھوٹ بہتے ہیں تنکے والے
ارے یہ جلوہ گرِ جاناں ہے
کچھ ادب بھی ہے پھرنے والے

ہائے بگڑی تو کہاں اگر ناؤ
عینِ مجدھار ہے کیا ہونا ہے
ان کو رحم آئے تو آئے ورنہ
وہ کڑی مار ہے کیا ہونا ہے
ساتھ والوں نے نہیں چھوڑ دیا
بے کسی یا رے کیا ہونا ہے

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے مجھ سے حنا
بخش بے بوجھے، بجائے کا لجانا کیا ہے
زاہدان کا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

زبان کی سلاست و بیباختگی

ذیل کی طویل غزل یا بقول حضرت رفقا قصیدۂ نوری کو ملاحظہ فرمائیے انصاف شرط ہے، زبان کی یہ سلاست یہ بیباختگی اور یہ مٹھاس آپ نے کہیں ملاحظہ فرمائی! اور مزید برآں مضامین کی یہ رفعت ہر اعتبار سے قابلِ داد کیا بلکہ دادرستِ مستغنی ہے، سادگی، بندشوں کی چستی، الفاظ کا درو بست اور ان کی بیباختگی اور لطافت یہ کہ صرف ایک موضوع یعنی ”مدینہ طیبہ کی صبح“ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نور“ عشقیہ غزل نہیں کہ جس کا ہر شعر جدا گانہ مضمون کا حامل ہوتا ہے اور نہ نئے مضمون کی ادائیگی کے لئے زبان کو طرزِ ادا کے بہت سے رخ بجاتے ہیں۔ یہ حضرت رفقا قدس سرہ کا کمالِ زبان دانی ہے کہ ایک موضوع کے تحت ایسے بے مثال اشعار وہ بھی دو چار نہیں بلکہ بہت سے پیش کئے ہیں، مضمون آفرینی کے جو ہر بھی دکھائے ہیں اور زبان دانی کے انداز بھی، ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:-

صبحِ طیبہ میں ہوئی بنتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
بارغِ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان ہر نور کا
بخت جاگا نور کا، چمکا ستارا نور کا

میں گدا تو بادشہ، بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دو تاہرا، دے ڈال قصہ نور کا

پشت پر ڈھلکا سرِ انور سے شملہ نور کا
دکھیں موسیٰ طور سے اُڑا صغیر نور کا

میل سے کس درجہ شہر ہے وہ پتلا نور کا
ہے گلے میں آجنگ کورا ہی کرتا نور کا

تو ہے سایہ نور کا، ہر عضو مکمل نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

کیا بننا نامِ خدا، اسریٰ کا دولہا نور کا
سر پہ سایہ نور کا، بریں شہانا نور کا

دھنچرخ میں گاتی ہیں حوریں ترانہ نور کا
قدرتی مینوں میں کیا بجتا ہے لہر نور کا

صبحِ کردی کفر کی سچا مٹھا مشرودہ نور کا
شام ہی سے کھاشب تیرہ کو دھڑکا نور کا

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

بھیکے سرکار سے لاجلہ کا سر نور کا
ماہِ نو طیبہ میں بنتا ہے مہینہ نور کا

انجن والے ہیں انجم بزمِ حلقہ نور کا
چاند پر تاروں کے ٹھہرتے ہو بالہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے کچھ کچھ نور کا تو ہے عین نور تیرا سب گھرا نا نور کا

آپ نے ندرتِ تحیل، رفعتِ مضامین اور مضمونِ آفرینی ملاحظہ فرمائی! اللہ اللہ مضامین کی رفعت اور بلندی کا یہ عالم اور زبان کی سادگی اور سلاست کا یہ کیفیت، کیا تعریف کی جائے سچا یہ ہے کہ بڑے بڑے زبان داں حضرات اس قصیدے پر وجد کرتے ہیں اور زبان کے اس شاہکار پر بیساختہ آفرین کہہ اُٹھتے ہیں۔ آپ نے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ زبان ہی پر نہیں بلکہ بیان پر بھی جناب رضا قدس سرہ کو کتنی قدرت تھی، ایک ہی نور کو ساٹھ انداز سے بیان کیا ہے اور ہر شعر کا جداگانہ لطف ہے اور زبان کتنی پر کیفیت ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں زبان کا یہ نگہار اور بیان کے یہ تیور کسی ایک غزل یا نظم سے مختص نہیں ہیں بلکہ حضرت رضا کے تمام کلام میں یہ نگہار موجود ہے، صلوة و سلام کا عنوان رفعتِ مضامین کا متقاضی ہے اور اس میں مضمونِ آفرینی کی بہت کچھ گنجائش ہے لیکن جناب رضا نے اس تحیۃ و سلام میں جہاں مضمونِ آفرینی کی ہے وہاں زبان کا لطف بھی قابلِ توجہ ہے۔

فرماتے ہیں:-

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا، تم پہ کرو رو لد درود

دل کرو ٹھنڈا میرا، وہ کفِ پا چاند سا
سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کرو رو لد درود

باٹ نہ در کے کہیں، گھاٹ نہ گھر کے کہیں
ایسے تہیں پالسا، تم پہ کرو رو لد درود

بے ہنر و بے تمیز کس کو ہوتے ہیں عزیز
ایک تمہارے سوا، تم پہ کرو رو لد درود

اپنے خطا واروں کو اپنے ہی دامن میں لو،
کون کرے یہ بھلا، تم پہ کرو رو لد درود

ایک دوسرے سلام میں فرماتے ہیں:-

مجھ سے بیکس کی دولت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے بے بس کی ثروت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

جن کے گچھے سے پتے جھڑیں نور کے
اُن ستاروں کی نزہت پہ لاکھوں سلام

نور کے چشے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پر لاکھوں سلام

چھوٹی چھوٹی بھڑوں میں غزلیں کہنا مستطین اور متاخرین شعرا کا خاص وصف رہا ہے، مومن غالب داغ، امیر مینائی وغیرہم کے یہاں یہ خاص انداز موجود ہے، چھوٹی چھوٹی بھڑوں میں لطف زبان کے اظہار کے لئے اختیار کی جاتی تھیں، داغ نے ان چھوٹی بھڑوں میں زبان کی شوخی اور بانگین خوب خوب دکھایا ہے، غزل کے لئے تو یہ میدان بڑا وسیع اور پر کیف ہے لیکن نعت مصطفویٰ اہلہ اللہ علیہ وسلم میں یہ ایک کڑی منزل ہے کہ چھوٹی بھڑوں میں مضمون آفرینی کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے، مرکبات کی بندش کا ان میں سونا نا ممکن ہوتا ہے اور نعت میں جس قدر مضمون آفرینی ہوتی ہے اتنی ہی وہ پر کیف ہوتی ہے لیکن خامہ رمتانے ان چھوٹی چھوٹی بھڑوں میں عجیب عجیب گلکاریاں کی ہیں۔ فرماتے ہیں:-

اپنے اچھوں کا قصد ہم بروں کو بھی نہا ہو
بد کریں، ہر دم بُرائی، تم کہو ان کا بھلا ہو

عمر بھر تو یاد رکھا، وقت پر کیا بھولنا ہو
سب بشارت کی اذان تھے تم اذان کا مدعا ہو
سب تمہارے در کے رستے ایک تم راہ خدا ہو
وہ کس روضہ کا چمکا سر جھکاؤ! کجکلا ہو

ایک اور چھوٹی بھڑ میں زبان کا لطف دیکھئے

اللہ نہ چھوٹے دست دل سے دامان خیال مصطفائی

روشن کروا قبر بیکسوں کی اے شیخ جمال مصطفائی
اندھیر ہے بے ترے مرا گھر اے شیخ جمال مصطفائی

صلی اللہ علیہ وسلم

ذیل کے چند اشعار دیکھئے اور غور کیجئے کہ "شیخ جمال مصطفائی" کو کس کس انداز سے مخاطب کیا ہے اور کیسی کیسی مضمون آفرینیاں کی ہیں اور مصرعے ہائے اول میں زبان کے کیسے کیسے نکھارے ہیں:-

میری شب تار من بنادے اے شیخ جمال مصطفائی
بھیا یا آنکھوں تلے اندھیرا اے شیخ جمال مصطفائی
گھنگھور گھٹائیں غم کی چھائیں اے شیخ جمال مصطفائی
میرے دل مُردہ کو جلا دے اے شیخ جمال مصطفائی
دُکھ میں ہیں اندھیری رات ڈالے اے شیخ جمال مصطفائی
تاریک ہے رات غم زدوں کی اے شیخ جمال مصطفائی
آنکھیں تری راہ تک رہی ہیں اے شیخ جمال مصطفائی
بُشدراد صبر بھی کوئی پھیرا اے شیخ جمال مصطفائی
تقدیر چمک اٹھے رمت کی اے شیخ جمال مصطفائی

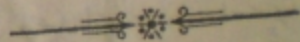
صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اور چھوٹی بھڑ کی غزل میں زبان کا نیکیا پن ملاحظہ ہو، ذرا مضمون آفرینی بھی پیش نظر رہے:-

ذرتے بھر کر تری پیزاروں کے تاج سر پہنتے ہیں سیاروں کے
میرے آقا کا وہ دُرسے جس پر ماتھے گھس جاتے ہیں سزاؤں کے
جان و دل تیرے قدم پر وارے کیا نصیب ہے تیرے پیاروں کے

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رقتا بول بالے مری سرکاروں کے

الغرض اس وصف خاص میں کہاں تک مثالیں پیش کروں، مختصر یہی عرض کرنا کافی ہے کہ زبان کی سادگی اور اس کے نکھار میں خامہ رقتا نے جو پرکاری نعت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے میدان میں دکھائی ہے وہ آپ اپنی نظیر ہے، مندرجہ بالا اشعار سے آپ بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت رقتا قدس سرہ کو زبان پر کس قدرت حاصل تھی اور انھوں نے نعت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زبان کے لطف کے ساتھ کس حسین انداز میں پیش کیا ہے، بلند سے بلند مضمون نظم کرتے ہیں لیکن زبان کی سادگی پر کہیں حرف نہیں آتا، علاوہ ازیں بندشوں کی چستی اور ان کا درو بست بھی قابلِ داد ہے۔



مضمون آفرینی

سلاستِ زبان اور طرنگیِ بیان کے سلسلہ میں اب تک کافی اشعار پیش کر چکا ہوں، میں نے جس قدر اشعار اس عنوان کے تحت پیش کئے ہیں ان اشعار میں اس خصوصیت کے علاوہ اور بھی چند خصوصیات موجود تھیں لیکن عنوان کی تخصیص کے باعث میں ان کو بیان نہ کر سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ طرزِ ادا میں طرنگی اور بانگین مضمون آفرینی کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور حضرت رقتا قدس سرہ کے یہاں مضمون آفرینی کی کہیں بھی کمی محسوس نہیں ہوتی، لیکن معنی آفرینی کا مرحلہ بہت دشوار گزار ہے اول تو غلو و مبالغہ کے سہارے کے بغیر معنی آفرینی اور ندرتِ مضمون پیدا کرنا بہت دشوار ہے لیکن نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھلا اس کی کہاں گنجائش اور اس کا کہاں گزر! دوسرے مضمون آفرینی اور ندرتِ مضمون کے باعث اکثر و بیشتر سادگی، سلاستِ زبان و بیان سے ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔

غالب و موتمن معنی آفرینی میں جواب نہیں رکھتے تھے لیکن ان دونوں حضرات کے اکثر اشعار اس معنی آفرینی اور جدتِ طرازی کے باعث عسیر الفہم اور تشریح طلب بن کر رہ گئے ہیں، زبان کا لطف اور بیان کی سلاست بھی ان اشعار سے اسی جدت پسندی اور مضمون آفرینی کی بدولت ہاتھ سے جاتی رہی ہے چنانچہ موتمن جن کا تغزل نگاری میں بلند مقام ہے جب جدت پسندی اور مضمون آفرینی کی طرف آتے ہیں تو کلام میں بیساختگی باقی نہیں رہتی اور نہ سلاستِ بیان و زبان کا لطف باقی رہتا ہے، مومن کے اشعار پر نظر ڈالئے جو میرے دعویٰ کے شاہد ہیں۔

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوئے فلس ماہی کے گل شمع شبتاں ہوئے
تا ب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں اور بنجائیں گے وہ تصویر جو حیراں ہوئے

اور اسی زمین میں ان کے یہ اشعار دیکھئے، مضمون آفرینی کی کوشش اور جدت پسندی کی فکر سے غالی ہیں اس لئے ان میں زبان کا لطف بھی موجود ہے اور سلاست بیان بھی۔

ناوک اندازِ جدھر دہرہ جاناں ہونگے نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بیجاں ہونگے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانہ کرے ہم توکلِ خرابِ عدم میں شبنم ہونگے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے اناں ہونگے
عمرِ تیساری کئی عشقِ بتاں میں موتیں آخری وقت میں کیا خاکِ مسلمان ہونگے

موتیں کی مضمون آفرینی کے یہ چند اشعار اور ملاحظہ ہوں۔

ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پر کیا دیکھو یوں سے تیری کبھی کامیاب بھٹا
ہو کیوں نہ عجوبہ حیرتِ نیرنگِ بائے شوق جودل میں شعلہ بھاد ہی آنکھوں میں آجھٹا

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج، راحت فرا نہیں ہوتا
ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم حرفِ ناصح بر نہیں ہوتا

اسی زمین میں موتیں کے یہ اشعار دیکھئے۔

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے در نہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

آپ نے ملاحظہ فرمایا سلاست زبان مضمون آفرینی سے دامن بچاتی ہے اور مضمون آفرینی سلاست

زبان و بیان کی دشمن ہے۔ میں نے موتیں کے دونوں طرح کے اشعار پیش کر دیے ہیں، یہی کچھ کیفیت اور اندازِ مرزا غالب کے یہاں ہے، غالب کی مضمون آفرینی نے موتیں سے زیادہ کلام و بیان کو الجھا دیا ہے، ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

غالب کی مضمون آفرینی

تمنا شائے گلشن، تمنائے حیراں بہارِ آفرین، گنہگار ہیں ہم
نہ ذوقِ گریباں نہ پردہِ دامان رنگِ آشنائے گل و غار ہیں ہم

مضمون آفرینی اور جدت پسندی کے ساتھ ذرا مزہ کارِ رنگ ملاحظہ فرمائیے۔

ہے تصویر میں نہاں سرمایہ صد گلستاں کارے زانو ہے مجھ کو بیضہ طاس بس
نیم رنگی ہائے محفل جو شیشِ خواب ہے پیچک نہ حرف چاک پردہ فانوس بس

شاہدِ ہستی مطلق کی کمر ہے عالم لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
حسرت لے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقتِ ربی عشق پر عریدہ کی گون تن رنجور نہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
نشہ رنگ سے ہے دُشد گل مست کب بند قبا باندھتے ہیں

نہیں ہے زخم کوئی بجئے کے درِ فور میرے تن میں ہوا ہے تارِ اشک یا اس رشتہ چشم سوزن میں

ہوئی ہے مانعِ ذوق تماشا خانہ ویرانی
دو لعل خانہ بیدار کاوش ہائے مژگاہے ہوں

کفِ سیلاب باقی ہو رنگِ پنبہ روزن میں
نگین نام شاہد ہے برے ہر قطرہ تن میں

ان اشعار کے مقابل میں غالب کے وہ اشعار دیکھئے جن میں کلام غالب کی دوسری خوبیاں جلوہ آ رہی ہیں اور جنہوں نے غالب کو وہ مرتبہ بخشا ہے کہ شاید کسی دوسرے اردو شاعر کے حصہ میں نہ آسکا۔ بیانِ وزن کی سادگی، طرزِ ادا کا انوکھا پن، بندشوں کی چستی اور بلند خیالی، غالب کا دیوان ان خصوصیات سے پُر ہے۔ خصوصاً ان کے پہلے اشعار:

پھر مجھے دیدہ تریا د آیا، دل جگر تشنہ فریاد آیا
دم لیا کھانا قیامت ہنوز پھر ترا وقت سفر یاد آیا
زندگی یوں بھی گزری جاتی کیوں ترا راہ گزریا د آیا
کوئی نہ لکھی میرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھریا د آیا

در دمنش کشِ دروانہ ہوا، میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہیں کیوں قیدیوں کو اک تماشا ہوا، بگلا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں بوریانہ ہوا
جان دی دی ہوئی امی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

اب اس امر کی مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ معنی آفرینی، زبان کی سلاست

اور بیباک شنگی کا بمشکل ہی ساتھ دیتی ہے، اس طرح تشبیہ و استعارہ اور مبالغہ کا سہارا لے بغیر مضمون آفرینی اور جدت طرازی دشوار ہے۔

حضرت شہیدی مرحوم کا یہ شعر برصغیر ہندوپاک میں آج بھی مقبول ہے، اس شعر میں معنی آفرینی اور الفاظ کا دروبست یقیناً قابلِ ستائش ہے، فرماتے ہیں:-

جتنا ہے درختوں پر ترے روغنے کے جا بیٹھے،
قفصِ جسوقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقتد کا

لیکن جناب شہیدی مرحوم کے یہاں اس قبیل کے اشعار بہت کم ہیں، البتہ جناب محسن کا کوروی کے یہاں یہ معنی آفرینی اور نازک خیالی بہت زیادہ ہے اور یہ اثر کھانا دبستان لکھنؤ کا جوان کی شاعری پر پڑا۔ حضرت محسن کا کوروی کا قصیدہ لامیرا سمت کاشی سے چلا جانپ تھرا بادل اور قصیدہ معجزہ میں ان کی معنی آفرینی نے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں اور ان کی نازک خیالی نے نعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عجیب عجیب رنگ پیدا کئے ہیں:-

حضرت رفقا قدس سرہ نے اس رنگ میں بھی اپنی زبان دانی کے جوہر دکھائے ہیں اور ان کے بحر نے مضمون آفرینی کے ایسے ایسے حسین مرقع تیار کئے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں موجود نہیں تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان والا کے ایسے ایسے رخ پیش کئے ہیں جن سے نعتیہ شاعری کے صفات خالی و عاری تھے اور پھر یہ کہ اُن کا ہر مضمون اور ہر مقام پر اُن کی معنی آفرینی شریعت کے عین مطابق، روایات کا اس سے کچھ تعلق نہیں جو مضمون پیش کیا ہے وہ قرآن و حدیث سے ثابت اور اخبار و آثار سے مدلل، ان کا ہر شعر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کسی شرف اور امتیاز کا کائنات دار اور مقام نبوت کی اس سے ترجمانی ہوتی ہے۔ اسی صورت میں زبان کا لطف برقرار رکھنا بہت دشوار ہے اور پھر بیان کی بیباک شنگی کا یہ عالم کہ آمد ہی آمد ہے اور دکا نام نہیں۔

طبع رخصا قدس سرف نے ان تمام آداب و قیود کے باوصف اپنی معنی آفرینی سے ایسے ایسے حسین اور عظیم بھول پیش کئے ہیں جن کی خوشبو سے عقیدت و ایمان کا دماغ معطر ہوتا ہے۔ آئیے اب آپ کو میں کلام رخصا کے اس دشوار گزار مہل کی سیر کروں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ بعض مقامات پر سلاست بیان میں ضرورت کی آگئی ہے اور یہ کوئی تہم انگیز بات نہیں کہ یہ امر تو خاصہ ہے شکوہ الفاظ اور اختراع تراکیب کا جو معنی آفرینی کے اجزائے ضروری ہیں، لیکن ایک عجیب بات ہے کہ بعض اشعار میں ہر چند سلاست زبان و بیان کا عنصر کم ہے لیکن کلام میں زور و یساہی ہے اور یہ خاصہ ہے اس بقی محبت و الہانہ عقیدت کا جو حضرت رخصا کو اس ذات گرامی سے ملتی، اس جذبہ محبت نے زور بیان میں کہیں بھی کمی نہ آنے دی اور ہر جگہ آمد کی کیفیت ہے آورد کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور اس وصف میں ایسے تمام شعراء میں جنکے یہاں مضمون آفرینی پر بڑا زور دیا گیا ہے، جناب رخصا منفرد مقام رکھتے ہیں نعمت گو شعرائی میں انہیں بلکہ متغزلین شعراء میں بھی۔

یہ وصف خاص فیضان تھا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ عشق کا جسکی تڑپ ہر وقت جناب رخصا کے دل کو بے قرار رکھتی تھی میں یہاں کچھ اشعار پیش کرنے پر ہی اکتفا کروں گا ورنہ "عدا لئیں بخشش" کے بیشتر اور ارق خامہ رخصا کی مضمون آفرینی کے شاہکار ہیں اور اس وصف خاص سے معمور۔

فرماتے ہیں:-

یہی ہے اصل عالم مادہ لکچاد خلقت کا

یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگام کثرت کا

نہ رکھی گل کے جوش حسن نے گلشن میں جا باقی

چنگتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

بڑھایہ سلسلہ رحمت کا دور زلف والائیں
تسلل کانے کو سوں رہ گیا عصیاں کی ظلمت کا
سکھایا ہے یہ کس گستاخ نے آئینہ کو یارب
نظارہ روئے جاناں کا بہانہ کر کے حیرت کا

حضور ان کے خلاف ادب بھی بیتابی
میری اُمید تھی آرمیدہ ہونا تھا
پناہ دامن دشت حرم میں چمین آتا،
نہ صبر دل کو خزاں زمیدہ ہونا تھا
نیکتا رنگ جنوں عشق شہ میں ہر گز ہے
رگ بہار کو نشتر رسیدہ ہونا تھا

وہ دل کہ خوں شدہ ارماں تھے جس میں مل ڈالا
فغاں کہ گور شہیدان کو پامال کیا،
حضور ان کے، خیال وطن و مٹا تانا تھا
ہم آپ مٹ گئے ایسا منبر ارغ بال کیا،
جو دل نے مگر کے جلا یا تھا آفتوں کا چراغ
ستم کہ عمر من رو صبر صبر زوال کیا
تو جس کے واسطے چھوڑ آیا طیبہ سا محبوب
بتا تو اس ستم آرانے کیا نہال کیا

تا پیر آقا سحر، گرد بیابانِ عرب
غازہ روئے قمر و در چراغانِ عرب

جو شیش ابر سے غول کی فردوس گریں
بھڑکے رگ کو اگر عارضیاں ہی نہیں
بزم قدر کی ہیں یہ دیاں پہلے گزرتی
عالم قدر میں ہے، چہرہ جیواں نہیں
غور سے مشرکیاں موقوف نمود کیا
ساز رنگوں سے کتنی جیسے نکال دیتا

منبت المصباح بشارت الذم کے ساتھ سن آفرینی ملاحظہ کیجئے۔

منبت دالوں کو یہاں مثنوی ہے جو چاہو
نہدہ چھوٹے کی کسی کو نہ سمجھائی دوسرے

استعارہ اشعار کے شکل اور رفیع معنوں کو کہیں غول اور غور جورتی سے پیش کیا ہے۔

ان کو یہاں کیا اور غول بنائی۔ حسن
ابن کے تماشہ کرتی تہائی دوسرے

زربخ انور کی تخی جو قوس نے دیکھی،
نہ گیا ہوتے وہ نقش کعب پا ہو کر
غرض دشت مدینہ کا سگر آیا خیال
رنگ گلشن جو نہ فخر دل دا ہو کر

طور کیا عرش جے دیکھ کے وہ جلوں گرا
آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض
جلوہ فرمایاں ریشہ دل کی سیاہی نہایت
سج ہو جائے الہی، شب تار عارض

مثنوی آفرینی کے ساتھ مسیہ تعلیل اور استعارہ کا لطیف دیکھئے۔

تہناری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بہند دیدہ ہائے فلک
ان کے جلوے نے کیں گرمیاں شب اسری
کہ جب سے چرخ میں ہیں نقرہ و طلائے فلک

رفقا یہ نسبت نبی نے بلندیاں بخشیں،

لقب زمینی فلک کا ہوا اسمائے فلک

تعلیں ہے شوق فائزہ خاک مدینہ میں
شبم سے وصل کے کی نہ گردنوں میں
رنگ جزہ سے کر کے خیل یاد شاہیں
کھینچا ہے ہم نے کانتوں پر عطر جمال گل
دیکھا تھا خواب غار حرم من رہے
کھٹکا کیا ہے خواب میں شب بھر خیال گل

دل شدوں کا یہ ہوا دامن اطہر پر نجوم
بیدل آباد ہوا، نام دیار دامن
سبحان اللہ! بیدل آباد ہوا نام دیار دامن کی ترکیب اور اس سے کیا معنوں پیدا کیا ہے۔
صنعت لغت و تفسیر میں کچھ معنوں آفرینی ملاحظہ ہو۔

شک سا زلف شد نورشاں شمع
اللہ اللہ صلیب جیب و تنار دامن
اشک کہتے ہیں یہ شیدائی کی آنکھیں دھو کر
اسے ادب گر نظر ہو نہ فہار دامن

اسے رفقا آہ وہ بلبل کہ نظر میں جس کی،

جلوہ جیب محل آئے نہ بہار دامن

گر آنکھ ہوں تو ابر کی چشم پر آب ہوں
خونیں مگر ہوں طائر بے آشیان شہا
مرٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں
قالب تہی کئے ہمراغوش ہے ہلال،
حسرت میں خاک بو کی طیبہ کی اے رفا
دل ہوں تو برق کا دل پر اضطراب ہوں
رنگ پریدہ ریح گل کا جواب ہوں
دردا، میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں
اے شہسوار طیبہ میں تیری رکاب ہوں
ٹپکا جو چشم مہرے وہ خون ناب ہوں

مرزا غالب کی مشہور زمین "غنچہ رنگتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں" میں اکثر تغزل نگار
شعراے مابعد نے فکر سخن کی لیکن غالب کے انداز کو نہ پاسکے اس زمین میں نعت پاک کہنا کس قدر
مشکل ہے یہ صرف خاتمہ رفا کا کمال ہے اور معنی آفرینی اس پر تشریح سے غالب کی غزل خالی ہے۔
ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں:-

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کیوں،
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کیوں
میں نے کہا کہ جلوہ اصل میں کس طرح گئیں،
صبح نے نور ہر میں مرٹ کے دکھا دیا کیوں
قصر دئی کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں،
زورِ قدس سے پوچھتے تم نے بھی کچھ سنا کیوں

غالب کی اسی بحر میں ایک اور غزل ہے جس کی زمین ہے "جسکو ہوجان دل عزیز اسکی گلی میں
جائے کیوں" اسی زمین میں حضرت رفا نے بھی فکر نعت فرمائی ہے، ملاحظہ کیجئے:-

یادِ حضور کی قسم، غفلت عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
اس رجائیت کے مقابل میں ذرا غالب کی قنوطیت ملاحظہ ہو:-

اصلِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اللہ اللہ حضرت رفا قدس سرہ نے قیدِ غم کو کس طرح عزیز ثابت کیا ہے اور کیا لطیف معنی
پیدا کئے ہیں، سبحان اللہ کلفتِ فکر کی توجیہ حسنِ تعلیل کے ساتھ ملاحظہ کیجئے:-

اُن کے ہلال کا اثر، دل سے لگائے ہے تفسر
جو کہ پولوٹ زخم پر داغِ جگر مٹائے کیوں
ندرتِ تنہیل اور معنی آفرینی قابلِ داد ہے۔

راہِ نبی میں کیا کمی فرشتے بیاض دیدہ کی،
جادۂ خلل ہے ملگنی زیرِ قدم بچھائے کیوں

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جاچکے دل کو قرار آئے کیوں

غالب نے تو اس بحر میں برفرقِ قافیہ دروایت صرف دو غزلیں کہیں جتنے مصرعے میں اوپر
پیش کر چکا ہوں لیکن طبعِ رفا قدس سرہ کی معنی آفرینی نے بادلِ فرقِ روایت و قافیہ ایک تیسری
غزل بھی اسی بحر میں کہی ہے۔

مطلع فرماتے ہیں:-

یادِ وطنِ بستم کی دشتِ حرم سے لائی کیوں
بیٹھے بٹھائے بد نصیب سر پہ بلا اٹھائی کیوں

کس کی نگاہ کی خیا پھسرتی ہے میری آنکھ میں
نرگس مت نازنے مجھ سے نظر چرائی کیوں

سمان اللہ مندرجہ بالا اشعار میں کیا معنی آفرینی ہے اور کیسا انداز بیان ہے -

ہو نہ ہو آج کچھ مرا ذکر ہوا حضور میں،
ور نہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں

اس لطافتِ بیان کو ملاحظہ کیجئے، نعتیہ شاعری میں یقیناً اور یہ لطافتِ خیال و بیان :-

حسرتِ تو کا ساتھ سستے ہی دل بگوا گیا
ایسے مر لیکن کو رشتہ مرگِ جوان سنا کیوں

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار معجزات سے صرف ایک معجزہ کا اظہار فرماتے ہیں جان
بخشی کا انداز بیان قابلِ دید ہے۔

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگِ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ہر خطِ کف ہے یہاں اے دستِ بیضائے کلیم
موجزن در یائے نور بے مثالی ہاتھ میں

خاتمہ رقصِ قدس سرود کی معنی آفرینی کا کمال ملاحظہ ہو:-

پنچہ جہرِ عسب ہے جس سے دریا بہہ گئے
چشمہ خورشید میں تو نام کو بھی خم نہیں
اس میں زم زم ہے کہ تھم تھم اس تھم تھم ہے کدیش
کثرت کوثر میں زم زم کی طرح کم کم نہیں

دوسرے شعر کے مصرعہ اول میں مضمون آفرینی کا جواب نہیں لیکن سلاست اور روانی میں فسق
اگیا، معنی آفرینی نے بندہ ثلث الفاظ کے دروبست میں بھول پیدا کر دیا۔

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقیص جہاں نہیں،
یہی بھولِ خار سے دُور ہے یہی شمع ہے کہ دھوا نہیں
تراقد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ پتوں میں مردِ مجاہدین

کی جو بالوں سے ترے روٹنے کی جاروشی
شب کے ہشتم نے ترا کو نہیں دھارے گیو
کعبہ جاں کو پنھایا ہے غلافِ مشکیں
اڑ کے آئے ہیں جو ابرو پہ تہارے گیو
تارِ شیرازہ مجموعہ کو نہیں ہیں یہ،
حال کھل جائے جو اک دم ہوں کنارے گیو

صبح کا وقت دُعا کی قبولیت کا وقت ہے اور صبح کس طرح ہوتی ہے یہ حضرت رقصا کی
زبان سے سنئے:-

دعا کرتے تھے جاگ رہا مگر دعا نہ ہوئی
 بٹایا گیا رشتہ سے شاد نے شب بھر کا

فلسفی واقعہ معراج جہان پر اس اعتبار سے معجز ہے کہ فلسفیوں کی کئی شکایات میں
 خرق و التیام محال ہے لیکن یہ نہیں سوچنا کہ زمانہ کا تسلسل ایک ساعت کے لئے ان کی ہنسی
 آگیا تھا اور

وہ اتنی جلد سیر لا مکان کہ کہتے ہیں کہ

کرمی زگرہ بخشش میں ہو گئی تھی

(سحرۃ حقیر کی عالم آرائی راقم الحروف)

جس قیام مطلق نے زمان کے تسلسل کو روک دیا تھا اس نے اپنے محبوب محل اللہ علیہ وسلم کے
 لئے ملک میں خرق پیدا فرمایا اور پھر اس خرق کو انتہا پر پہنچا۔ ان شکایات کے اس بڑے نظام کو
 جسے مسلمانوں نے کبھی یوں نہیں کیا تھا سائنس کے سوزور، دور میں خدائی سیاروں اور کیسوں کو
 چاند تک پہنچانے والوں نے خود کی باطل قرار دیا، لیکن انیسویں صدی کے اخلاقی و علمی
 صدی کے اداس میں یہ عقائد دوز شروع نہیں ہوئی تھی اور جو تان فلسفہ میں شکایت کا وہ نظریہ
 قدیم قائم تھا جسے نہ مرنے والے اس طرح باطل کیا، فرماتے ہیں۔

عرش میں ثوبی رشتہ رکا پائاں ہوا
 دو قدم چل کے دکھا سر و لاہاں ہو
 اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح فرمایا ہے۔

زبان فلسفی سے اس و خرق و التیام اس کی

ہنا وہ دور رحمت ہائے یک ساعت تسلسل کو

دست شوق کے لئے کیا خوب مضمون پیدا کیا ہے۔

چاک دامان سے نہ تھک جائیو اسے دست جہیز
 پڑنے کرنا ہیں ابھی جیب و گریبان ہم کو

غالب نے قریب قریب یہی مضمون پیدا کیا ہے لیکن وہ اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہیں۔
 یک الف بائیں جہیز مطلق آئینہ ہنر
 چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریبان کھا
 دیکھئے غالب کے انداز بیان نے شعر کو کس قدر مشکل بنا دیا ہے۔ معنی آفرینی دونوں نے کی ہے لیکن غنا
 رقص کا انداز بہت ہی سادہ اور پر کیفیت ہے۔

حیرانی دیدار کے خفا ہاں ہیں فرماتے ہیں

پندہ اس چہرہ افروز سے اٹھا کر اک بار
 اپنا آئینہ ہنار سے مہر تاباں ہم کو

شب اسری اور ہراق کی رقی رفتاری کا مضمون ملاحظہ ہو۔

کہتی تھی یہ ہراق سے اسکی سب زدوی
 یوں جانیے کہ گرد سفر کو خنجر نہ ہو
 گرد سفر کو خنجر نہ ہو " میں کس قدر معنی آفرینی ہے۔

لگا و شوق کو طائر حرم کہنا معجزت رقص کا جستہ ہے۔

طیر حرم ہیں یہ کہیں رشتہ بہاں ہوں
 یوں دیکھئے کہ تار نظر کو خنجر نہ ہو

اس انداز اور مایہ ناز معنی آفرینی کے دو شعر اور ہیں ملاحظہ ہوں۔

اے خاریطیہ دیکھ کہ دامن نہ بھگتا
 یوں دل میں آگ دیدہ ترک کو خنجر نہ ہو

اے شوقی دل یہ بکدہ گراں کو زو نہیں
 اچھا وہ بکدہ کیجئے کہ سر کو خنجر نہ ہو

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کیا معنی آفرینی کی ہے اور کس قدر انوکھا اسلوب بیان ہے۔

آتشِ عصیاں کی گرمی ملاحظہ ہو:-

ماہِ مَن یہ نیزِ محشر کی گرمی تابہ کئے
آتشِ عصیاں میں خود جلتی ہے جانِ سوختہ

یہ پوری غزل اسی رفعتِ تحیل اور مضمونِ آفرینی سے مالا مال ہے:- فرماتے ہیں:-

کوچہ گیسوئے جاناں سے چپے ٹھنڈی نسیم
بالِ دِپرافشاں ہوں یاربِ بلبلانِ سوختہ

لطفِ برقِ جلوہ معراج لایا و جد میں
شعلہ جوالہ ساں ہے آسمانِ سوختہ

اے رِہتا مضمونِ سوزِ دل کی رفعت نکلتا
اس زمینِ سوختہ کو آسمانِ سوختہ

رہروانِ مدینہ کے قافلہ سے بچھڑ جانے کو کس خوبی سے ادا کیا ہے اور "کمر آرائی" کی ترکیب سے کیا حسن پیدا کیا ہے۔

قافلہ نے سوئے طیبہ کمر آرائی کی،
دوسرے اشعار سے مضمونِ آفرینی کا لطف اٹھائیے:-

شش جہتِ سمتِ مقابلِ شہِ روزِ ایک ہلالِ دھوم و التجم میں ہے آپ کی بینائی کی
مَا ذَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَفَىٰ لَیْ سَقَدْرِ حَسَنِ تَشْرِیع کی ہے۔

عشر میں شانِ رسالت کے علو و رفعت کو کس انداز سے بیان فرماتے ہیں:-
آفتاب اُن کا ہی چمکے گا جب اُن کے چراغِ صرصر جوشِ بلا سے جھلکاتے جائیں گے

آج عیدِ عاشقاں ہے گرجا چاہے تو وہ
ابروئے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائیں گے
ابروئے پیوستہ سے ہلالِ عید کی رویت، سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا؟
ہر طرف دیدہ حیرت زدہ نکلتا کیا ہے

لب زلال چشمہ کُن میں گندھے وقتِ خمیسر
مردے زندہ کرنا اے جاں تم کو کیا دشوار ہے

حضرت کلیم اللہ اور حضرت حبیب اللہ علی نبینا علیہ السلام کے مراتب کا تقابل ایک بہت ہی نازک مقام ہے۔ حضرت رِہتا قدس سرہ اس نازک ترین مرحلہ سے کس طرح گزرے ہیں ملاحظہ ہو

نہ عرش، ایمن، نہ اِتی ذِ اھب میں میہانی ہے
نہ لطف، اُدُن یا احمد، نہ لبِ تن ترائی ہے

ترے منگتا کی خاموشی، شفاعت خواہ ہے اس کی
زبان بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے،

کہاں اس کو شک جانِ جتناں میں زر کی نقاشی
ارم کے طاہر رنگ پریدہ کی نشانی ہے،

سبحان اللہ کیا مضمونِ آفرینی ہے ملاحظہ کیجئے:-

جہاں کی خاک روٹی نے چمن آرا کیا تجھ کو،
صبا ہم نے بھی ان گلیوں کی کچھ دن خاک چھپائی ہے

ملاحظہ کیجئے کہ شانہ و مساوی سے کیا مضمون پیدا کیا ہے۔ یہ محبت کے تقاضے ہیں ان کو ہر ایک محسوس نہیں کرتا۔

یہ اکثر ساتھ ان کے شانہ و مساوی کا رہتا ہے
بتاتا ہے کہ دل رشتوں پہ زائد ہوسرانی ہے

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حشر میں شفاعت فرمائیں گے، اس شفاعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سرگرمیاں ظاہر فرمائیں گے اس کیفیت کا اظہار کس ادب، کس انداز اور کس شان سے کیا ہے ذرا مضمون آفرینی کا رنگ ملاحظہ ہو۔

وہ سرگرم شفاعت ہیں عرق افشان ہے پیشانی

کرم کر عطر مند کی زمیں رحمت کی گھائی ہے

عطر مند کی زمیں، رحمت کی گھائی، سببان اللہ سبحان اللہ،

آتش محبت، آتش دوزخ کو سرد کر دیتی ہے، سیدھی سادی سی بات ہے لیکن معنی آفرینی نے اس موضوع کو کس بلندی پر پہنچا دیا ہے ملاحظہ کیجئے۔

اے عشق ترے صدق، جلنے سے چھٹے طستے

یہ آگ بجھا دے گی، وہ آگ لگائی ہے

آگ کا آگ کو بجھا دینا کیا انداز بیان ہے! الغرض اس سلسلہ میں کہاں تک عرس کروں، کچھ اور ایسے ہی اشعار بغیر تہدید پیش کر رہا ہوں جن میں مضمون آفرینی کا لطف موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شکرِ خدا کہ آج گھڑی اس سفر کی ہے جس پر نثار جان فلاح و ظفر کی ہے

شکل بشر میں نورِ الہی نہ ہوا اگر، کیا قدر اس خمیرۂ ماؤمہ کی ہے

آنسو بہائے بہہ گئے کالے گنہ کے ڈھیر ہاتھی ڈباؤ جھیل یہاں چشمِ ترکی ہے

دندانِ کائناتِ خواں ہوں نہ پایا بیوگی آب ندی گئے گلے مرے آپ گہر کی ہے

سُنکی وہ دیکھ بادِ شفاعت کہ دے ہوا یہ آبر درِ صفا ترے دامنِ ترکی ہے

حضرت رضا قدس سرہ کی معنی آفرینی کے نمونے کہاں تک پیش کروں، آپ کی ہر غزل طرزِ ادا کی طرحی، روزمرہ اور زبان کے لطف اور مضمون آفرینی کی خصوصیات سے مالا مال ہے سابقہ ادراک میں بہت سے اشعار ان خصوصیات کے تحت پیش کر چکا ہوں جب بھی مدائقِ بخشش کے صفحات کو الٹا ہوں کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست ہر غزل میں ایسے اشعار نظر آتے ہیں کہ میساختہ دل چاہتا ہے کہ قارئین کو بھی ان اشعار سے لطف اندوز کراؤں۔ قصیدہ در تہنیت شادی اسری کے عنوان سے جو نظم حضرت رضا قدس سرہ نے رقم فرمائی

ہے وہ اُن کی مضمون آفرینی کا کمال ہے۔ معنی آفرینی کا مقام بہت سخت ہے خصوصاً قوتِ تخیلہ بھٹک کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ اسی معنی آفرینی اور جدت طرازی کی بدولت مرزا غالب کو اپنے کلام کا بڑا حصہ نظر انداز کرنا پڑا، اس کا باعث معنی آفرینی میں اُن کی قوتِ تخیلہ کی بے راہ زدگی تھی اور وہ تو تغزل کا میدان تھا، یہاں اسکے برعکس نعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام فلک سا ہے، ہر قدم پر قدغن ہے اور ہر گام پر تاکید کہ ہشیار کہ رہ ہر دم تیغ است قدم را، ایسے میدان میں اور ایسے راستے پر خامہ رفا قدس سرف نے جس جس انداز سے معنی آفرینی اور مضامین نو کی تخلیق کی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

اس نظم میں معنی آفرینی بھی ہے محاکات بھی، نعت میں محاکات کا وصف پیدا کرنا انتہائی دشوار ہے، اس حقیقت کو وہی حضرات محسوس کر سکیں گے جنہوں نے نعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کبھی قلم اٹھایا ہے اور وہ بھی نثر کے بجائے نظم میں، جی ہاں اس نظم میں محاکات کا بھی وصف ہے اور زبان و بیان کا بھی کیفیت ہر جگہ موجود ہے اور ان تمام خصوصیات کلام نے جمع ہو کر اس نظم کو نعتیہ شاعری کا شاہکار بنا دیا ہے۔

اس نظم کی تہذیب میں حضرت رفا قدس سرف فرماتے ہیں:-

وہاں فلک پر چڑھی تھیں دھوئیں، یہاں زمیں پر چڑھی تھی شادی
اُدھر سے انوار ہنستے آئے، اُدھر سے نغمات اُٹھ رہے تھے

وہ جوت پڑتی تھی اُن کے رُخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چٹکی

وہ رات کی جگہ گاری تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

نئی دہلیں کی پھین میں کعبہ نکھر کے سنورا، سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

ذرا یہ شعر تو ملاحظہ کیجئے کہ چاندنی (ماہتاب) کا پُرانا فرش کثرتِ استعمال سے ملگھا ہو گیا تھا، سرکارِ دالاکے راستے سے اسے اٹھا دیا گیا اور ایک اور فرش بچھایا گیا، وہ فرش کونسا تھا ملاحظہ کیجئے:-

پُرانا پُر دارغ ملگھا تھا، اُٹھا دیا فرش چاندنی کا،
ہجومِ تاریک سے کوسوں، قدم قدم فرش بادے تھے

نور کی کثرت اور اس کی جگہ گاہٹ، امیدوں کا ہجوم اور اژدہام ملاحظہ کیجئے:-

عجب نہ تھا رخس کا چمکنا، غزالِ رم خوردہ کا بھڑکنا
شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں، تڑپتے آنکھوں پر صاعقے تھے
ہجومِ امید ہے گھٹاؤ، مُرادیں دے کر انھیں ہٹاؤ

ادب کی باگیں لئے بڑھاؤ، ملکہ میں یہ غلغلے تھے
یہ نظم ۶۸ اشعار پر مشتمل ہے اگر میں مضمون آفرینی پر مشتمل تمام اشعار پیش کروں تو اس صورت میں مجھے دو ٹولٹ (۲) نظم پیش کرنا ہوگی اور صفحات کی تنگ دامانی اس کیلئے مانع ہو
چنانچہ اس نظم کے صرف چند اشعار اور پیش کروں گا۔ ملاحظہ ہو:-

بڑھا یہ لہر کے بحیرِ وحدت، کہ دھل گیا نامِ ریگ کثرت
فلک کے ٹیلوں کی کیا حقیقت، کہ عرش و کرسی دو بلبلے تھے

جھکا تھا مجھے کو عرض اعلیٰ گسے تھے کدے میں بزم ہکا
یہ آنکھیں قدموں میں کیسا تھا۔ وہ گرد قربان ہو رہے تھے

خود سے کہہ دو کہ سر جھکا لے، گام سے گریب گزرنے والے
چپے ہیں یاں خود خود کو لالے، کسے بتائے کہاں گئے تھے
سُراپہ لہجہ و سنی کہاں تھا، نشانِ کیمت والی کہاں تھا
نہ کوئی ماری نہ کوئی ساتھی، نہ سنگ مرل نہ مرچھے تھے

دیکھتے اول دیکھتے آؤ دیکھتے باطنی، دیکھتے قہر
اسی کے جلوے اسی سے تھے، اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کہاں اسکاں کے جھوٹے فطرت، تم اول آخر کے پھر میں ہو،
مہبط کی ہال سے نور و جہو، کدے سے آئے کدے مر گئے تھے
میں چاہتا تھا کہ اس شعر پر اس نظم کا انتخاب ختم کروں کہ جیسا کہ دل سے کہا کہ شمس یہ دو
شعر اور پیش کرو: سبحان اللہ سبحان اللہ کیا اہتمام ہے اور کیا مضمون آفرینی ہے۔
شروع مقدم کی روشنی تھی، کہ تابشوں سے نہ عرب کی
جناں کے گشت تھے جہر و سرشتی، جو بھول تھے سب کھول رہے تھے
طرپ کی تار مش کی ہاں چلنے، ادب و بندش کی بل نہ سکے
یہ جوشِ خندہ تھا کہ پودے، گٹ گٹ اڑے گئے تھے تھے

سبحان اللہ سبحان المضمون آفرینی کے ساتھ تناسب لفظی، جوشِ خندہ کا اڑے اور پھر اس کی
کٹ گٹ، قربان چاہتے کیا انداز بیان ہے اور کیا معنی آفرینی!!

جنابِ رفقا قدس سرہ کی ایک اور غزل اس خصوصیت اور اسی رنگ سے معمور ہے، اگر
میں اس کے اشعار پیش کرنے سے گریز کروں تو میرا یہ عنوان یقیناً تشبیہ تفسیر رہ جائے گا، اس
پوری غزل میں بنیادی نقطہ یہ حدیث قدسی ہے لولا ک لہما خلقت الافلاک۔ خاتم
رفقائے اکی حدیث قدسی کو مرکزِ تفسیر بنا کر معنی آفرینی کے کمالات دکھائے ہیں۔
طاہر فرمائیے۔

زمین و زمان تمہارے لئے، ملکین و ممالک تمہارے لئے
چنین و چنان تمہارے لئے، بنے دو جہاں تمہارے لئے
فرشتے خدمِ رسولِ ششم، تمام اُمم، غلامِ کرم،
وجود و عدم، حدوث و قدم، جہاں میں عیاں تمہارے لئے

وہ کثر نہاں کہ نور و فضاں، وہ کثرت سے عیاں یہ بزمِ فکاں
یہ ہر تہ و جاں، یہ باغِ جنان، یہ سارا آسماں تمہارے لئے
یہ شمس و قمر یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر یہ باغ و ثمر
یہ شیش و سہرہ یہ تاج و کمر، یہ حکیم رواں تمہارے لئے

کمالِ جہاں، جلالِ شہاں، جمالِ خُشاں میں تم ہو عیاں،
کہ سارے جہاں میں روزِ فکاں، غلغل آئینہ ساں تمہارے لئے

بغور صدا، سماں یہ بندھا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش مجھ کا
صفوں نمانے سجدہ کیا، ہوئی جوازاں تمہارے لئے

ثنا بدلت، بقا بہ برت، زہر دو جہت برگرد سرت
ہے مرکزیت تمہاری صفت کہ دونوں کماں تمہارے لئے
یہ طور کجا، سپہر تو کیا کہ عرش عطا بھی دُور رہا،
جہت سے ورا وصال ملا، یہ رفعت شاں تمہارے لئے

طرزِ ادا کی رنگینی

طرزِ ادا کی رنگینی پیش کرنے کے لئے تغزل کا میدان بہت وسیع ہے، میر تقی میر، غالب اور مومن کے کلام کی مقبولیت کا راز جس قدر طرزِ ادا کی رنگینی میں نہاں ہے اس قدر اُن کی مضمون آفرینی میں نہیں ہے، مومن اور غالب تو اکثر موقعوں پر مضمون آفرینی کی خاطر طرزِ ادا کی رنگینی کے کیف کو کھو بیٹھے ہیں، تغزل کے وسیع اور غیر محدود میدان میں اُن نامور شعرا (غالب اور مومن) اور مابعد کے شعرا نے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں، اُن کے بقائے نام اور آج تک اُن کے کلام کی پسندیدگی کے جس قدر اسباب ہو سکتے ہیں ان میں طرزِ ادا کا اچھوتا پن اور طرزِ ادا کی رنگینی کا مقام سب سے بلند ہے، غالب دُموئن کے بعد حاتی، داغ، اکبر، عزیز لکھنوی، فانی، حسرت، جوش اور حبیب جیسے مشاہیر شعراء کے کلام پر نظر ڈالئے ان کے کلام میں جہاں جہاں آپ طرکی اور بانگین پائیگی وہ طرزِ ادا کی رنگینی ہی کا نتیجہ ہوگا، اگر میں ان شعراء کے کلام سے ان کی طرزِ ادا کی رنگینی کے نمونے پیش کروں تو یہ صفحات اچھا خاصہ مجموعہ انتخابِ کلام بن جائیں گے جو مجھے مقصود و مطلوب نہیں مجھے تو صرف یہ عرض کرنا تھا کہ شاعرانہ خصوصیات میں طرزِ ادا کی رنگینی کا ایک خاص مقام ہے اور جس شاعر کے یہاں یہ خصوصیت دوسری خصوصیات کے مقابل میں زیادہ ہے اتنی ہی اس کی شاعری کا میاب اور مقبول خاص و عام ہے۔

شاعر اپنے اپنے رنگ میں عشق و محبت کے جذبات اور واردات محبت کو صرف اپنے طرز ادا سے ایک اچھوتا رنگ اور نادر مضمون بنا دیتا ہے ورنہ حقیقت میں وہ کوئی نیا مضمون نہیں ہوتا، عامۃً اور دو کیفیات کو کوئی کس طرح نئی کیفیت سے بدل سکتا ہے یا نیا مضمون دے سکتا ہے یہ صرف طرز ادا ہی کا کام ہے جس کے باعث ہم سمجھتے ہیں کہ شاعر نے ایک نیا مضمون اور ایک نئی بات پیدا کی ہے، داغ کے یہاں طرز ادا کی بھی رنگینی غضب ڈھاتی ہے لیکن امیر دینا کی کے یہاں اس کی کمی ہے یہی سبب ہے کہ دونوں شاعروں میں داغ کو جو قبول خاص و عام حاصل ہوا امیر اس سے محروم رہے، داغ سے پہلے غالب اور ان کے مایہ ناز ہم عصر مومن خاں مومن کو ایسے، مومن مضمون آفرینی کی فکر میں طرز ادا اور اس کی رنگینی کی جانب زیادہ خیال نہ کر سکے لیکن غالب نے اس کا زیادہ خیال رکھا (ان کے نظری کلام سے قطع نظر کرتے ہوئے) نتیجہ یہ ہوا کہ غالب کو طرز ادا کی رنگینی نے کہیں کا کہیں پہنچا دیا اور مومن مضمون آفرینی کی بھاری بھر کم زنجیریں پاؤں میں ڈال کر غالب کا ساتھ نہ دے سکے اور اس مقام شہرت کو ناپا سکے جو غالب کے حصے میں آیا۔

اگر میں یہاں غالب اور مومن کا موازنہ کروں یا ان دونوں شاعروں کی اس خصوصیت کو ان کے کلام سے ثابت کرنے کے لئے اشعار کے حوالے دوں تو میرے ذہن پر بڑبڑا سکتا ہے اس کے متحمل نہ ہو سکیں گے، میں صرف یہ عرض کر رہا تھا کہ طرز ادا کی رنگینی کے اظہار کے مواقع جو ایک شاعر کو تغزل یا مدحت کے میدان میں میسر آ سکتے ہیں کسی اور موضوع کے تحت میسر نہیں آ سکتے، دیکھئے انیس کی فکر میں نے جب مرثیہ کے حقیقی میدان کو بقدر وسعت بیان تنگ پایا تو انھوں نے مرثیوں میں تمہید اور چہرے کی بنا ڈالی اور ان تمہیدوں میں طرز ادا کی رنگینی کے خوب خوب جوہر دکھائے اور مرثیہ نگاری میں وہ اس وصف خاص کی بدولت اس بلندی پر پہنچ گئے کہ آج انہیں کو اس نعمت کا خاتم سمجھا جاتا ہے۔
نعت سرور کوئین صلی علیہ وسلم میں طرز ادا کی رنگینی کے اظہار کے لئے میدان بہت تنگ ہے، وہاں

نہ مبالغہ کی گنجائش ہے اور نہ اغراق و غلو کی، نہ وہاں خوشی کا گزرجو اور نہ بیہوشی کا داخل، نہ معشوق کا جو رستم ہے کہ اس سے نت نئے مضامین پیدا کیجئے اور نہ بوسہ و کنار کا گزر رہے جو فراق کی کیفیت نثر دہن لیکن، جو فراق کی وہ واردات نہیں جو تغزل کیلئے مخصوص ہیں بلکہ بہت محدود جہاں قدم قدم پر ادب کے پہرہ دار ہیں اور اسلامی احکام کے تعقیب کھڑے ہیں۔ ذرا سی لغزش اعمال حسنہ کی تباہی کا نتیجہ بن جاتی ہے اور ادنیٰ سی پیراہ روی دار بن کر روسیاسی کا موجب اور معمولی سے معمولی بیہوشی کی تباہی کا پیش خیمہ پس ان قیود اور ان حدود کے اندر رہتے ہوئے اگر کسی نعت نگار کا خامہ زبان کی سادگی کا لطف اور طرز ادا کی رنگینی کو پیش کر دے تو یہ اس کی نعت گوئی کا ایسا رخ ہے جس کو اس کا منہ بٹائے کمال کہنا چاہئے اور یہ ہر کسی کا کام نہیں۔

ہندوستان میں صرف دو نعت گو شاعرانیسویں صدی کے ربعِ اخیر میں میری نظر میں ایسے گزرتے ہیں جو اس وصف میں کمال کی بلندیوں تک پہنچ سکے ہیں ایک جناب محسن کا کور و گئی اور دوسرے جناب رضا قدس سرہ! میں بیسویں صدی کے نعت نگار شعر کا ذکر نہیں کر رہا ہوں ورنہ نعتیہ کلام کی قلیل تعداد کے باوجود جگر مراد آبادی مرحوم بھی قابل تذکرہ ہوتے۔ حضرت بیہم شاہ وارثی اور جناب حیدر صدیقی لکھنؤ بیسویں صدی کے یہ شعرا نعت نگاری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، یہاں صرف ان شعرا کا کا تذکرہ کر دینا ہی کافی ہے یہاں ان کے کلام کے نمونے پیش کرنا میرے موضوع سے کچھ ضروری مطابقت نہیں رکھتے اور اگر دو دو چار چار شعرا ان حضرات کے پیش بھی کر دوں تو ان معدودے چند اشعار سے ان کا وصف خاص کیا نمایاں ہو سکے گا اس لئے میں اپنے موضوع کی جانب آتا ہوں اور جناب رضا قدس سرہ! کے کلام سے طرز ادا کی رنگینی کو پیش کرتا ہوں۔

میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ طرز ادا کی رنگینی تغزل میں جس قدر آسان ہے نعت سرور کوئین صلی اللہ علیہ وسلم میں سی قدر دشوار ہے ہر چند کہ ذات سرور کوئین صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف

لا متناہی کا استقصا اور اُن کا احاطہ فہم انسانی سے ناممکن ہے کہ
لا یُمكن التَّناء کما کان حَقًّا
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور بقول نظیری نیشاپوری

ز فرقی تا بقدم ہر کجا کہ می نگریم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایست
پھر بھی فہم انسانی نے جو کچھ اس سے ممکن ہو سکا اس ذات گرامی، باعث تخلیق عالم و عالمیان
(صلی اللہ علیہ وسلم) کے اوصاف بیان کئے ہیں، اب یہ شاعر کا کمال شاعرانہ اور اس کی طلاقت زبان
اور قوت بیان ہے کہ وہ اپنی محدود بصیرت اور کم بضاعتی کے باوجود اس راہ میں بیان کی بولمونی
دکھائے اور نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نوبہ نو گلدستے سجائے، چنانچہ اب آپ خامہ رضا
قدس سرہ کی رنگینی ملاحظہ فرمائیے کہ نے کس طرح طرز ادا کی رنگینی کے گلدستے سجائے ہیں۔

فرماتے ہیں:-

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ
جوت پڑتی ہے تری، نور ہے پھینتا تیرا

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
(مفتی غوث اعظم)
مصطفیٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جنسے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا

جان تو جاتے ہی جاگتی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھیرا ہے نظارا تیرا

گیت کلیوں کی چنگ غزلیں ہزاروں کی چپک
باغ کے سازوں میں بجتا ہے ترانہ تیرا

صفت ہر شجرہ میں ہوتی ہے سلائی تیری
شاخیں جھک جھک کے بجالاتی ہیں مجرا تیرا

صفت ماتم اٹھے خالی ہو زنداں، توئیں زنجیریں
گنہگاروں چلو، مولانے در کھولا ہے زنداں کا

(نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم)

جہاں چھڑکا نمک واں مرہم کا نور ہاتھ آیا
دل زخمی نمک پروردہ ہے کس کی ملاحت کا
سر ہانے اُن کے بسل کے یہ بیتابی کا عالم ہے
شہ کوثر ترحم تشنہ جالتہ ہے زیارت کا
وہ چمکیں بجلیاں یارب تجلی ہائے جاناں سے
کہ چشم طور کا سرمہ ہو دل مشتاق رویت کا

جان دید و وعدہ دیدار پر
یاد رہ جائیں گی یہ بیباکیاں
نقد اپنا دام ہی ہو جائے گا
نفس تو تو رام ہو ہی جائے گا

اگر گلوں کو خزاں نارسیدہ ہونا تھا
نظارہ خاکِ مدینہ کا اور تیری آنکھ
نہ اس قدر بھی قمر شوخ دیدہ ہونا تھا
نہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا
کنارِ خاکِ مدینہ میں راحتیں ملیں
دل حزیں تجھے اشک چکیدہ ہونا تھا
کنس رخا مدینہ دمیدہ ہونا تھا
کہ صبح گل کو گریباں دریدہ ہونا تھا

پتا و دامن دشت غم میں ہیں آقا
رنگ بہار کو نشتر رسیدہ ہوا تھا
ری قہار کے نہ کیوں بچے بچے دامن پہ

سراور وہ سب درنا کی وہ بزم نور
قلم کو وطن کا رسمیا کیا تو کہا
بنت کو غم سہا آئے تو یہاں آیا
اب تک کے ہر اک کا حکم پہن کیا

ہر اک کی فکر عداوت ہی ہے سب قلم
تھوڑے سب قلم پر وہاں کیا
جس سے بھٹک دیا آشیانہ بھیل
انہا افسانہ بیکس ڈاکس کیا

بے خبر جلد کے غروں کی عورت لکھا گیا
موت موتی مرے آکا ترے قہار کیا
تو وہ آٹک کر ناکام تبت ای رہا
ہائے وہ دل جو ترے سے بڑھا گیا
ہاں وہ دل بوش و خروش ہے بچے
تم نہیں جانتے عقابا افسانہ کیا

پھر کچھ دامن دل کھتے بہا اب غم
پہر آٹک و لولا باز مغرب اب غم
میں نہیں تھی دن و رات غم اب غم
تھیں غم تڑا جان غم شان غم
ہائے غم دشت کی پہاں آٹک کی غم
گر بہت دور ہے غم مغرب اب غم
غصہ گل و لعل کی دھن کی دھن
پھولتے پھولتے ہیں بے غم غم اب غم

میں ہیں ایک مکمل غم میں کر رہا ہوں دیکھئے کس قدر مشکل زمین ہے لیکن خامہ رشتانے اسکو
کس قدر نکسین ہوتا ہے ۔

جو غموں پر ہے بہار میں آرائی دوت
خدا کا نام نہ لے، بھیل شیدائی دوت
سبحان اللہ کیا طرز ادا ہے ۔

تھک کے بیٹھے تو دروں پہنائی دوت
کون سے گھر کا اجالا نہیں زیبائی دوت
مرنے والوں کو یہاں ملتی ہے عروا دوت
زندہ چھوڑے گی کسی کو نہ سہائی دوت
کعبہ و عرش میں کھرام ہے ناکامی کا
آہ کس بزم میں ہے جلوہ یکنائی دوت
خس بے پردہ کے پردے نے شاکھا
ڈھونڈنے جاتیں کہاں بلوہ چرائی دوت

گزرتے ہیں راہ سے وہ سید والا ہو کر
رہ گئی ساری زمینیں غم سارا ہو کر
رہتا انور کی تھلی جو قبر سے دیکھی
رہ گیا بوسہ وہ نقش کھپ پا ہو کر

عمر و دشت میریہ کا گمراہ یا خیال
رخسب گلشن جو بہنا فخر دل و اہو کر
ہائے شہر پر گرسے، یارب تمہیں نہیں جانتے
دل بیتاب اٹھے حشر میں پارا ہو کر

سنگار اور مشکل زمین میں طرز ادا کی خوبیاں دیکھئے ۔

نار دوزخ کو تین کر دے بہار عارض
ظلمت حشر کو دن کر دے بہار عارض
جیسے قرآن ہے در اس گل محبوبی کا
یوں ہی قرآن کا و خلیفہ ہے وقار عارض

مشکوزت کر رخ چہرے بالوں میں شعلہ
حق نے بخشنا ہے کرم، نذر گدایاں ہو دیوں
معجزہ ہے حَلَب زلفت و ستارِ عارض
پیالے اک دل ہے وہ کرتے ہیں نثارِ عارض

ہونہ ہو آج کچھ مرا، ذکر حضور میں ہوا،
در نہ مری طرف خوشی دیکھ کے مسکرائی کیوں
جو چناں ستم کیا، طیبہ نظر میں پھر گیا
چھپرے کے پردہ حجاز دیں کی چیز گائی کیوں

عرض کروں حضور سے دل کی مرے تو خیر ہے
پیٹتی سر کو آرزو دشتِ حرم سے آئی کیوں

اُنکے نثار کوئی، کیسے ہی رنج میں ہو
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اسکا کتنا،
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلائے ہیں
تم نے تو چلتے پھرتے مرنے جلا دئے ہیں
اب تو غنی کے در پر بستر لگائے پیر،
ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوئے

ہے اب صلیبی سے جاں بخشی زالی ہاتھ میں،
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
حشر میں کیا کیا مرنے وارفتگی کے لونِ رعب
لوٹ جاؤں پا کے وہ دامانِ عالی ہاتھ میں

اوس مہرِ حشر پر پڑ جائے پیاسو تو سہی
اس گل خنداں کا رونا گر یہ نشہ بن نہیں
ہے انہی کے دم قدم سے دونوں عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا، گر وہ نہ ہوں عالم نہیں

یہ نہیں کہ غلہ نہ ہو نگو، وہ نیکوئی کی بھی ہے آبرو

مگر اے مدینہ کی آرزو جسے چاہے تو وہ سماں نہیں،
امتناعِ النظیر کے ادق اور مشکل مسئلہ کو طرزِ اداسے کس قدر حسین اور سریع الفہم بنا دیا ہے۔
فرماتے ہیں:-

تراقد تو نادردہر ہے، کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چین میں سرچاں نہیں

ذیل کے اشعار ملاحظہ کیجئے کہ زمین کس قدر سنگلاخ ہے لیکن طرزِ ادا نے کیسی رنگینی پیدا
کی ہے، فرماتے ہیں:-

بیل نے گل ان کو کہا، قمری نے سرو جانقرا
حیرت نے جھنجھلا کر کہا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر،
بے پردہ جب وہ رخ ہوا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

سوئی ہوئی ہے اسید خربا کی گھٹتی
پانی آتی ہے اسی دھند میں ہوا کی
یوں کہ زار کے پہرے چوکی کے ٹھوسا
شہرہ نامہ ہر انداز کی حس ہلنے

میں تپسیوں اور استعاروں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔

کبریاں کو پہنچانے کیلئے
سلسلہ کی شجارت کا جھگڑا نہیں
خوار ہو کر ہے شہرہ نامہ کی شجارت
نیل کی رو سے ہے شجارت کا شجارت

دل کی غزل میں لکھی ہر ادائیگیوں دیکھئے۔

عشق میں غزل کا ہر ادائیگیوں
خار محو ہے عزیز نہ لکھی گئی
پاؤں میں غزل کا ہر ادائیگیوں
جب سے لکھی گئی ہے شجارت کا شجارت

دل کوئی ہے خدا جہاں کرے
ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔

ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔

دل کوئی ہے خدا جہاں کرے
ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔

سبحان اللہ خدا کی طرف کی ملاحظہ ہو، مگر آرائی کی ترکیب کی تقدیر تو دیکھئے۔
قائد نے سوئے طیبہ مگر آرائی کی
مشکل آسان ہوا ابھی مری تہنائی کی
مشکل آسان ہوا ابھی مری تہنائی کی

فرماتے ہیں۔

ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔
قائد نے سوئے طیبہ مگر آرائی کی
مشکل آسان ہوا ابھی مری تہنائی کی
مشکل آسان ہوا ابھی مری تہنائی کی

اُنھیں کی ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔
اُنھیں کی ہر ادائیگیوں کے ساتھ ہر ادائیگیوں دیکھئے۔
کریم تیرے کرم کا صدقہ، لیکن بے قدر کو نہ شرما
تو اور رعنا سے حساب لینا، مگر ابھی کوئی حس نہیں ہے

ایک غزل کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں، چھوٹی بھر ہے، توانی پر کیف نہیں تھے، ردیف
بھی پر لطف نہ تھی لیکن انداز بیان نے ان بے کیف توانی میں بھی لذت پیدا کر دی ہے اور ردیف میں
ایک لطف پیدا ہو گیا ہے۔

فرماتے ہیں۔

گرمی ہے تپ ہے درد ہے، کلفت سفر کی ہے
 ناشکر ایہ تو دیکھ عیبت کدھر کی ہے
 ماہِ مدینہ اپنی تجلی عطا کرے
 یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دو پہر کی ہے
 سب خشک و تر سلام کو حاضر ہیں السلام
 یہ جلوہ گاہ مالک ہر خشک و تر کی ہے
 ہاں! ہاں! رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
 او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
 رومی غلامِ دل، حبشی باندیاں، حبشیں،
 گنتی کنیر زادوں میں شام و سحر کی ہے
 جاؤں کہاں، پکاروں کہے کس کا منہ تکیوں،
 کیا پریش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے
 سرکار ہم گنواروں میں طرزِ ادب کہاں
 ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

انار کران کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا،

کہ چاند، سورج پھل پھل کر جیس کی خیرات مانگتے تھے
 رستم کیا کیسی مت کٹی تھی، قرۃِ خاک ان کے رہ گذر کی
 اٹھانہ لایا کہ نلتے نلتے وہ داغ، سب دیکھتا مٹے تھے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے، کمزوروں منزل میں جلوہ کر کے
 ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی، کہ نور کے ٹڑکے آئے تھے

میں حضرت رضا قدس سرہ کے طرزِ ادا کی رنگینی اور اس کے بانکپن کی مثالیں کتنی پیش کروں
 حدائقِ بخشش حصہ دوم، نور کا قصیدہ ملاحظہ فرمائیے، طرزِ ادا کے کیسے کیسے اندازِ احسن بیان کے
 کیسے کیسے تیور ہیں، وہ پورا قصیدہ زبان کے لطف سے معمور ہے۔ حسین اور نادر تشبیہاتِ استعلا
 کا ایک حسین گلدستہ ہے یہاں میں صرف طرزِ ادا کے سلسلہ میں چند اشعار پیش کر رہا ہوں۔
 فرماتے ہیں:-

ساج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا، سر جھکاتے ہیں الہی بول بالا نور کا
 آبِ زربنتا ہے عارض پر سپینہ نور کا، مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا
 میل سے کس درجہ سحر ہے وہ پتلا نور کا، ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا
 صبح کر دی کفر کی سچا تھا مُردہ نور کا، شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا

یہی خصوصیت آپ کے اس سلام میں موجود ہے جو آج بھی ہر خاص عام کی زبان پر ہے یعنی مصطفیٰ
 جانِ رحمت پر لاکھوں سلام، مگر اس سلام میں معنی آفرینی زیادہ ہے جس کے بارے میں آئندہ صفحات
 میں کچھ عرض کیا جائے گا، البتہ جہاں سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے اقدس شروع کیا
 ہے وہاں پھر طرزِ ادا کی طرف بھی پرجالتے ہیں! مثلاً

پتی پتی گلِ قدس کی پتیالے

ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
 اس قصیدے "نوری" میں جنابِ رضائے جن لطیف تشبیہات و استعارات اور علمِ بیان کی
 دوسری خصوصیات کو پیش کیا ہے ان میں ایک مستقل عنوان کے تحت آئندہ پیش کروں گا اس وقت تو

اس قید سے ایسے چند اشعار پیش کر رہا ہوں جن میں طرز ادا کی عمدت اور فنی موجود ہے
 مگر وہ عالم نے انہیں علیہ وسلم کے جسم اطہر کے بعض انداز اور کیفیات کا پکڑنا نہ کر سکا اس لیے ان پر
 زہن کا مظہر ہے۔

بے رنات اور پیراؤں درود
 بے گفت عادت پہ لاکھوں سلام
 جیسے بکری چمک پر ہستی درود
 بیکار کی بیکاری لغت پہ لاکھوں سلام
 بیدار سپید و نیم کر درود
 سادہ سادہ حقیقت پہ لاکھوں سلام
 لعل بیدار شب پر درود
 عالم ظاہر و باطن پہ لاکھوں سلام
 کاش محرم میں جب آن کدہ ہو
 جیسے سب آگ ٹوٹ لاکھوں سلام
 بچے قدرت کے قدر کیسے جانتا
 مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
 حضور پر نور علیہ وسلم کی رحمت اور اس کی شان بیان کرنا ہے۔ دیکھئے طرز ادا

کیا شان پیدا کر دیتی ہے۔
 جسے آفت کا وہ درجہ جس پر
 لکھتے تھے جس جاتے ہیں سرداروں کے
 کرب و محنت سے سب درجہ میں گستاخ
 شان والا کے منائی ہوتا جگہ سب کے پاس بڑا
 اور کئی شان رکھنے والے سرداروں کے ملحق تھے جس جاتے ہیں۔
 جس سے جیسی ترسے صدمے جاؤں
 غور بے غور میں بیماروں کے
 غور بے غور میں جو وسعت مکتی پہناں ہے اس کا اندازہ کیجئے
 یہ انداز بیان تو دیکھئے۔
 بحر مواجہم تبسم رکھو
 بھول بھگتے ہیں انکاروں کے

شکوہ الفاظ اور بندشوں کی چستی

زبان کی سادگی، سلاست اور طرز ادا کی بیباکی جس طرح اکثر و بیشتر مضمون آفرینی کا
 ساتھ نہیں دیتی اسی طرح شکوہ الفاظ سلاست بیان و زبان میں رخصت انداز ہوتے ہیں شکوہ
 الفاظ کے ساتھ اگر بندش کی چستی اور طرز ادا کی بیباکی نہ ہو تو کلام کا لطف ختم ہو جاتا ہے
 دیکھئے مرزا غالب کا یہ مضمون کس قدر جیساختہ ہے۔

چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں بچھا

لیکن مرزا صاحب نے جو پہلا مضمون لکھا ہے، ایک الف بیش نہیں پیش آئی نہ ہنوز شکوہ
 الفاظ اور مرکب اضافی کی بدولت بیباکی سے محروم ہو گیا، جب تک شکوہ الفاظ کے ساتھ
 بندش چست نہیں ہوگی شعر میں بیباکی پیدا نہیں ہو سکتی۔ شکوہ الفاظ میں شاعر آورد کے ہاں
 قدم اٹھاتا ہے اور اگر کہیں شکوہ الفاظ کے ساتھ آمد پیدا ہو جائے تو کلام کے لطف کا کیا کہنا
 مومن مضمون آفرینی کے لئے دلدادہ تھے لیکن اس کے لئے جہاں جہاں انکو شکوہ الفاظ
 اور ترکیب کا سہارا لینا پڑا ان کا کلام بیباکی اور سلاست سے محروم ہو گیا، ان کے یہ چند
 اشعار ملاحظہ کیجئے۔

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
 فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

رداں طرازی سحرِ حلال موہن سے
رہی نہ کوئی بھی طسّرِ ادا بتاں کے لئے

ترجمانِ التماس شوق ہے تغیسِ رنگ
جوں زبانِ شمعِ عاشق بے زباں کہنے کو ہے

مندرجہ بالا اشعار کے مطالعہ کے بعد یا اشعار ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ مضمونِ آفرینی کے ساتھ بیباختگی نے آمد کارنگ پیدا کر دیا ہے :-

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا میری طرف بھی غمزہ غماز دیکھنا
دشنامِ یار طبعِ حریس پر گراں نہیں اے ہم نفسِ نزاکتِ آواز دیکھنا
اب مضمونِ آفرینی کے ساتھ روانی اور سلاست کا فقدان دیکھئے بس آورد ہی آورد ہے۔
اڑتے ہی رنگِ رخِ مازِ نظروں تھا ہوا اس مرغِ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دیکھا اپنا حال زارِ مخم ہوا قریب تھا سازِ گارِ طالعِ ناس از دیکھنا

یہی کچھ کیفیت مرزا غالب کے یہاں ہے وہ جب معنیِ آفرینی پر آتے ہیں تو طرزِ ادا شکوہ الفاظ کا سہارا لیتی ہے اور شکوہ الفاظ آورد کے سانچے میں ڈھل کر سلاست سے محروم دور ہو جاتی ہے یہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

برشکالِ دیدہ عاشق سے دیکھا چاہئے
کھل گئی مانندِ گلِ سوجا سے دیوارِ چمنِ خضے

الفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ وافرستی
مرد ہے بادِ صفتِ آزادی گرفتارِ چمن

دلِ آشفنگاں، خالِ کجِ دہن کے سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
مُراغِ ثقبِ نالہ ہے دایرِ دل سے کہ شبِ رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
آپ نے دیکھا کہ مضمونِ آفرینی کیا گل کھلا رہی ہے نہ طرزِ ادا میں بیباختگی ہے اور نہ سلاست بیان ہے، اسی بجا اور زمین میں مرزا کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیے معنیِ آفرینی بھی ہے اور اس کے ساتھ کس قدر لطافت و سلاست ہے۔

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباںِ خیاباںِ ارم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

مرزا غالب کے چند اشعار مزید وضاحت کے لئے پیش کر کے میں اصل مضمون پر آتا ہوں، ملاحظہ کیجئے۔

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادثِ مکتب
لطیفِ رموز، کم از سیلیِ استادِ نہیں
سبدِ گل کے تئے قید کرے ہے گچیں
مُژدہ لے مرغِ کہ گلزار میں صبا د نہیں
نفی سے کرتی ہے اثباتِ طراوشِ گویا
دی ہے جائے دہن اس کو دمِ ایجا د نہیں

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تغزل کے میدان میں جہاں نہ قدموں کے لئے کوئی بندش ہے نہ وسعت خیال کے لئے کوئی قدغن اور نہ معنی آفرینی پر کوئی پابندی، ہر ایک نوک چمے جائے، جب ایسے میدان میں غزل معنی آفریں اس طرح شکر کریں کہ اسے تو نسبت مصطفویٰ علیہ السلام کا مومنوع تو بہت کچھ بندشوں اور پابندیوں کا محصور ہے، ہر قدم غزل کی رفتار پر ہے، ایسے مومنوع پر اگر کسی خاص نعمت کو اور نعمت لگا لگائے معنی آفرین کے ساتھ ساتھ شکوہ الفاظ، بیجا طغی اور بندشوں کی ہستی سے عہدہ بردار ہو جائے تو واقعی وہ اس کا کامل شاعر ہے۔

اس مومنوع کے تحت حضرت رقتا کی سرفرازی شاعری کے نمونے پیش کرتے وقت ہے۔ یہاں حضرت رقتا کی وہ غزل یاد آ رہی جو حضرت کی اولیات میں محسوب ہونے کے قابل ہے اور میں نے بھی تصدیق کی ہے کہ اس کو اولیات رقتا کے عنوان کے تحت پیش کروں گا لیکن یہاں بات ایسے تمام پہلوئیں ہیں جن کے باعث میں اس کو یہاں پیش کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں، یہ حضرت رقتا کی وہ غزل ہے جو چار زبانوں میں ہے یعنی عربی، فارسی، سنسکرت اور ان چار زبانوں کے امتزاج سے جتنی کہ الفاظ کے در و بست پر جو بار پڑے گا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، ملاحظہ فرمائیے معنوں آفرینی اور شکوہ الفاظ کے تقاضے اس کے ہوا میں، اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجئے اور دیکھئے کہ چار زبانوں کے احترام کے باوجود ہر زبان کا کچھ نہایت سلیس اور رکھنے والا ہے۔ اس غزل کے اولیات رقتا میں محسوب کئے جانے پر میں ایک جداگانہ عنوان کے تحت بحث کروں گا کہ وہاں مجھے حضرت رقتا کے خاصہ نعمت نگار کی چند دیگر اہم خصوصیات اور بھی بیان کرنا ہیں اب اس غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں۔

لَعْنَاتُ لَطِيفٍ لَفِي نَظْمٍ مِثْلُ تَوْنٍ شَدِيدٍ جَانَا
مِثْلُ رَجِ كُوتَا جِ تَوْرَسِ سِرْسُو سَہِ قَهْكَو شَبِ دُورِ جَانَا
أَلْجَمْرُ عِلَادِ الْمَوْجِ طَغَى مَن بَعَثَ طُوفَانَ هَوَّاشَا
مُتَجِدِّ صَارَ مِثْلُ هَوَّاشَا مَوْرِي نِيَا پَارِ لَگَا جَانَا
معنوں آفرینی ملاحظہ فرمائیے۔

يَا شَمْسُ لَطِيفٌ لَفِي نَظْمٍ مِثْلُ تَوْنٍ شَدِيدٍ جَانَا
تَوْرِي بَوَّاشَا جَلِيلٌ مِثْلُ رَجِ مَوْرِي شَبِ دُورِ جَانَا
أَلْجَمْرُ شَجَرٌ ذَا لَهْمٍ شَجَرٌ دَلَّ زَارِ جَانَا
ہمت اپنی بہت میں کاسے کہوں، مرا کون ہے حیر سوا جانا
أَلْجَمْرُ ذُو الْفَرْقِ حَرْقًا يَكْ شَعْلًا دُرِّ بَرِّزَنْ عَشَقَا
مورا تن میں سب پھونک دیو، یہ جان بھی پیا کر جانا

حضرت رقتا کے یہاں شکوہ الفاظ اور بندش کی ہستی کے اور چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

گدہ مغفور، دل روشن، ٹھنک آنکھیں جگر ٹھنڈا
تعالی اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا
درکھی گل کے جوئی حسن نے گلشن میں جا باقی
چمکتا پھر کہاں غنچہ کوئی باغ رسالت کا

ابنی منتظر ہوں وہ جسراں باز فرمائیں
بچہ رکھتا ہے فرخ آغلوں نے کوپ بھارت کا

اگر کون کوڑاں بار سید ہوتا
کے بار خاندانہ دوسید ہوتا
پناہ دامن دشت گرم ہوتا
دوسرے دل کو خزاں رسید ہوتا
چیتا رنگ جنوں میں ہوتا
رنگ بہار کو نشتر رسید ہوتا

شکوہ الفاظ اور سلاست کا استخراج ملاحظہ فرمائیے۔

تاج بہ آواز، گرد بہاں عرب
نار دوسے لہر، دھواں عرب
بوشل درے فوج کی فوج کے
بہرے رنگ کو اگر تار بہاں عرب

جس کی شہ سے مشورہ رائی ہاں کرتا،

سایہ کے نام سے ہزارے بیکانی دوست

غرض حشر کا، موقوف نمود کجا،

ساز ہنگاموں سے رکھتی ہیں بیکانی دوست

غزل گشتہ دل بستہ، ز خوشبویہ لفاظت

کیوں خیمہ گوں ہے مرے آقا کا دہن پھول،

بو ہو کے نہاں ہو گئے تاب رُبح شہ میں
لوہن گئے ہیں اب تو حسینوں کے دہن پھول
دل کھول کے خوں روئے غم مار غنا شہ میں
لنگے تو کہیں حسرت خونناہ شدن پھول

خونیں جگر ہوں طائر ہے آشاں شہا
قالب جی گئے ہر آغوش ہلال
مولانا ادبانی نظروں سے گزرنا عالم
اشرا شرافت میں یہ نازک خیالی۔
رعب پریدہ ریح گل کا جواب ہوں
اے شہسوار طیبہ میں تیری رکا ہوں
اشک جزو رسیدہ چشم کباب ہوں

اچھوتی ترکیب، نازک خیالی اور سلاست بیان کا لطف ملاحظہ کیجئے۔

دل شدوں کا یہ ہوا دامن طہرچہ بھوم
بیدل آباد ہوا نام دیار دامن
بیدل آباد ہوا اور دیار دامن کی کیا تعریف کی جائے، سبحان اللہ سبحان اللہ

مشک ساز لعل شد نور فشاں شہ حشو
اللہ اللہ حلیب جیب و ستار دامن

حلیب جیب و ستار دامن کی ترکیب آپ نے ملاحظہ فرمائی اور اس کے ساتھ رفعت تخیل
واہ واہ۔

آپ نے بار بار سنا ہو گا کہ حضور پر نور کے تدارق اس کا سایہ نہ تھا! شاعر نے کیا بات پیدا
کی ہے ذرا لطف تخیل کے ساتھ بیان کی چستی اور شکوہ الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

راہ نبی میں کبھی فرشتہ بیاض دیدہ کی،
چادرِ ظل ہے ملکی، زیر قدم بچھائے کیوں

شکوہ الفاظ کے ساتھ ان بندشوں کی چستی قابل دید ہے۔

وہ کمال میں حضور ہے کہ گان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دوسرے ہی شمع کو گدھوا نہیں

تلازم عقلی کے ساتھ صوتی ہم آہنگی اور شکوہ الفاظ کا مظاہرہ کیے کلام کیس قدر کیفیت آفریں
یہ گیا ہے۔

مئی دہن کی پھیں میں کہہ نگر کے سنو سنو کے نگر
نگر کے صدقہ نگر کے اک تن میں رنگ کھو نہ نگر
پہا وہ سر و جہاں فرماں درک سا سدھ ہے بھی دانا
پلٹ چکی رہی وہ کچکے سب لڑاؤں سے گذر چکے تھے
بڑھاپہ لہرا کے بکر و صدقہ کدھل گیا نیم رنگ کھرت
فلک کے نیلوں کی کیا حقیقت یہ عرض و کرکے دیکھ لیتے تھے

حضرت رقتا قدس سرہ کی اس تمام غزل میں دیکھی شکوہ اور یہی رنگ اور یہی کیفیت ہے۔ پوری
غزل مدائن جلیل میں علامہ فرمائیے، شکوہ الفاظ اور صوتی ہم آہنگی کا یہ کیفیت آپ کو اس غزل
میں ملے گا۔

فرشتے قدم، رسول خشم، تمام اُسم، ظلم کرم،

وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تھا ہے لے

علیم و صفی، مسیح و عیسیٰ، غلیل و صنی، رسول و نبی

عینی و دومی، مئی و علی، شاکی زبان تھا ہے لے

ہمسالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل،

حکومت کل، ولایت کل، خدا کے یہاں تھا ہے لے

شا کا نشان وہ نور نشان کہ جہو شاں بآں ہمہ شاں

بسا یہ کشاں، مٹا آپ شاں یہ نام و نشان تھا ہے لے

عطا ہے آرب، جھٹا ہے کرب، فیوض عجب بجز طلب

یہ رحمت رب ہے کس کے لئے ہر رب جہاں تھا ہے لے

جنان پر مہین، چین میں مہین، مہین میں مہین، مہین میں مہین

سزائے محن پر ایسے مہین، یہ امن و اماں تھا ہے لے

کمال نہاں، جلال نہاں، جمال نہاں میں تم ہو عیاں

یہ ساسہ جہاں میں روز نکاں اخل آئینہ ساں تھا ہے لے

بہر خدا سماں پر بندھا، یہ سدرہ افتادہ عرض تھا کہ

صنوف کائناتے سجدہ کیا، ہوئی جوازاں تھا ہے لے

اس نوع کا تلازم عقلی اور اس قسم کی صوتی ہم آہنگی جناب رقتا کے یہاں اکثر غزلوں میں
موجود ہے لیکن الفاظ کا دروہست دیکھئے کہ بندشوں میں پھول پیدا نہیں ہوتا اور نہ مضمون فرنی
کے باعث نکات بے معنی اور آدرد پیدا ہوتی ہے بلکہ ایسے مقامات پر کلام میں زور اور مہمیا زیادہ
پیدا ہو گیا ہے، زبان کا لطف بھی برقرار ہے اور انداز بیان کا شیگاہاں بھی یہی حضرت رقتا کی
شاعری کا کمال ہے۔